سماع کا تحقیقی جائزہ
(سلسلۂ چشتیہ کے خصوصی حوالے کے ساتھ)

ڈاکٹر شاکر حسین خان
وزیٹنگ فیکلٹی ممبر، شعبۂ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، کراچی

Abstract

Samma(Music in Spiritul rendition).Samma is a form of religious rendition that is presented with music.Sufi saints of Chistiya clan did not admire that only but contributed in its development as well. In the books of Hadith(sayings of the Prophet Muhammad(S.A.W.) there are many verbal accounts of Prophet,where music is allowed ,but there are many sayings as well which prohibit music (or Samma)in any form.

The researcher in this paper tried to prove the possibility of music specially in reference to religous rendition in Chistiya clan,that it is allowed, provided done in positive context or for holy purposes only rather for entertainment.

Key word:Samma,Sufi,Saint,Music

مسلمانوں میں پیری مریدی کے چار مشہور اور بڑے سلسلے ہیں انہی چاروں سلسلوں سے دیگر سلاسل کا وجود ہے وہ چار بڑے سلاسل درجِ ذیل ہیں۔

(i) سلسلہ قادریہ (ii) سلسلہ چشتیہ (iii) سلسلہ سہروردیہ (iv) سلسلہ نقش بندیہ

برعظیم پاک و ہند میں ان چاروں سلاسل کا رواج ہے لیکن جو مقبولیت سلسلہ چشتیہ اور قادریہ کو حاصل ہے وہ دیگر سلاسل کو میسر نہیں ہوئی ہے۔

برعظیم پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کے بانی خواجہ غریب نواز شیخ معین الدین چشتی اجمیریؒ ہیں۔ان کا سلسلہ طریقت سولہ (۱۶) واسطوں سے ہوتا ہوا حضورِ اکرم رحمتِ عالم ﷺ سے جا ملتا ہے۔ ہم مروجہ طریق سے ہٹ کر، حضور اکرم ﷺ کے ادب واحترام کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے خواجہ صاحب کے شجرہ طریقت کا حضورِ عالم رحمت ﷺ کے نامِ نامی اسم گرامی سے آغاز کر رہے ہیں:

[i] جناب رسولِ اکرم ﷺ ، [ii] حضرت علی بن ابی طالبؓ، [iii] شیخ بصریؒ، [iv] شیخ ابوالفضل عبدالواحد بن زیدؒ، [v] شیخ ابوالفیض بن عیاضؒ، [vi] حضرت ابراہیم ادہمؒ، [vii] خواجہ صدیدالدین حذیفہ مرعشیؒ، [viii] خواجہ ہبیرہ بصریؒ، [ix] شیخ امین الدین (ا)، [x] خواجہ ممشادعلود ینوریؒ، [xi] خواجہ ابواسحاق شامی حسنی سالار چشتیاںؒ، [xii] خواجہ ابواحمد چشتیؒ، [xiii] خواجہ ابو یوسف ناصرالدین چشتیؒ، [xiv] خواجہ محمد مودود چشتی، [xv] حاجی شریف زندانیؒ، [xvi] خواجہ عثمان ہارونیؒ، [xvii] خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ۔ (۲)

خواجہ صاحب کے سلسلہ طریقت میں پانچ شیوخ چشتی ہیں یعنی ''چشت'' سے منسوب ہیں اور چشت ایک مقام کا نام ہے اور وہ پانچوں بزرگ چشت کے رہنے والے تھے اس لیے چشتی کہلائے ان کی نسبت سے یہ سلسلۂ طریقت ''سلسلہ چشتیہ'' کہلایا۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں مذکور ہے کہ چشتیہ ہندوستان کے بڑے مقبول اور بااثر صوفیہ کے سلسلوں میں سے ایک سلسلہ (ہے) نام کی نسبت چشت سے ہے جو ہرات کے قریب ایک گاؤں ہے (بعض نقشوں میں اسے خواجہ چشت لکھا ہے) جہاں اس سلسلے کے حقیقی بانی خواجہ ابواسحاق شامیؒ اپنے روحانی پیشوا خواجہ ممشادعلود ینوری (دینور، ہمدان اور بغداد کے درمیان مہتان میں ایک جگہ ہے) کے ایما پر آ کر آباد ہوئے۔ (۳) سید محمد قاسم محمود رقم طراز ہیں:

> ''ممشادعلود ینوریؒ (وفات ۲۹۹ھ) سلسلہ عالیہ چشتیہ کے جلیل القدر بزرگ، غوث اور قطب تھے۔ موضع دینور (واقع کرمان شاہ، مغربی کوہستان) میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پرورش بغداد میں ہوئی اصل نام علو اور لقب کریم دین تھا، ممشادعلو دینوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ خواجہ جنید بغدادیؒ کے احباب میں سے تھے، خواجہ سری سقطیؒ اور کئی دوسرے بزرگوں سے بھی فیض حاصل کیا، ابتداء میں بہت دولت مند تھے۔ جب حُبِ الٰہی کا جذبہ اُٹھا تو سب دولت راہِ خدا میں لٹادی اور مکہ معظّمہ میں آ کر عبادتِ الٰہی اور ذکر وفکر میں مشغول رہنے لگے ارادت سے قبل بیس سال تک اسی طرح عبادت اور مجاہدے کرتے رہے بعدازاں حضرت ھبیرہ بصریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت شیخ نے آپ کو اپنی بیعت میں لیا اور خلوت میں بٹھا کر آپ کو تعلیم دی۔'' (۴)

جہاں تک تعلق ہے محفلِ سماع کا تو اس حوالے سے تفصیل یہ ہے کہ سلسلہ چشتیہ میں محفلِ سماع کا انعقاد بڑے اہتمام سے ہوتا ہے محفل سماع کے انعقاد میں علما مختلف الرائے رہے ہیں۔ بعض جائز سمجھتے ہیں بعض چند شرائط کے ساتھ جائز سمجھتے ہیں اور بعض جائز نہیں سمجھتے۔

سماع اور قوالی دونوں عربی اصطلاحات ہیں سماع سماعت سے ماخوذ ہے عربی اسم مذکر، اس کے معنی سننا، راگ یا گانا سننا کے ہیں۔ قوالی، عربی اسم مؤنث لفظ ہے اصطلاح میں ''صوفیانہ اور حقانی کلام کا گانا جو صوفیوں کی مجلس یا مزار پر ہوتا ہے۔ (۵)

سماع کا مادہ س۔م۔ع ہے۔ سَمِعَ کا اصطلاح قرآن کریم میں مختلف صیغوں کی صورت میں متعدد مقامات پر آیا ہے لیکن ان معنی میں استعمال نہیں ہوا یہ سننے اور قبول کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ اس عنوان کے تحت گفتگو کرتے ہوئے سید محمد قاسم محمود رقم طراز

ہیں:

''پرانے زمانے کی عربی میں یہ لفظ گانا یا گانا بجانا کے معنوں میں استعمال کیا جاتا تھا۔لغوی اعتبار سے اس کے معنیٰ سماعی کے ہیں یعنی جو کسی سند پر مبنی ہو ایک مفکر دساسی کے نزدیک سماع اور سمع دونوں عقل کے مقابلے میں استعمال ہوتے ہیں درحقیقت یہ لفظ سب سے زیادہ اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بطور اصطلاح سماع سے مراد موسیقی نہیں، انہاک، گانا، الاپنا اور مذہبی جوش اور وجد پیدا کرنے کے لیے کسی خاص انداز یا سر تال میں گانا بجانے کے ہیں۔''

الغزالی نے اپنی کتاب ''احیاء'' میں ایک باب سماع کے بارے میں ہی تحریر کیا ہے۔(۱۶)الغزالی نے اس موضوع پر ایک محقق صوفی ایک صاحبِ حال اور ایک راسخ العقیدہ اشعری اور شافعی کی حیثیت سے غور کیا ہے اسی طرح ہجویری عرف داتا گنج بخش نے اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں سماع کے بارے میں لکھا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ سماع اس صورت میں درست ہے (جبکہ):

☆ خواہ مخواہ اور تکلف کر کے سماع نہ سنے جب تقاضا از خود غالب ہو صرف اسی وقت سنے۔
☆ سماع زیادہ بھی نہیں سننا چاہیے تا کہ طبیعت کو اس کی عادت نہ پڑ جائے۔
☆ مرشد یا شیخِ طریقت محفلِ سماع میں موجود رہے۔
☆ محفل میں عوام شریک نہ ہو۔
☆ قوال پاکباز ہوں اور فسق و فجور کے عادی نہ ہوں۔
☆ دل مکروہات دینوی سے خالی ہو۔
☆ طبیعت لہو ولعب کی جانب آمادہ نہ ہو۔
☆ تکلف و اہتمام نہ کیا جائے۔

سماع کے بارے میں مندرجہ بالا ہدایات کے باوجود آپ مزید لکھتے ہیں کہ:

''اس زمانے میں گمراہوں کا ایک بہت بڑا گروہ پیدا ہو گیا ہے یہ فاسقوں کی محفلِ سماع میں شریک ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم سماع حق کے لیے سنتے ہیں۔حالانکہ فاسق اس فسق و فجور پر اور زیادہ حریص ہو جاتے ہیں۔یہاں تک کہ یہ اور وہ دونوں برباد ہو جاتے ہیں۔''(۷)

قوالی قول سے ماخوذ ہے۔قول کے معنیٰ کلام یا بات کے ہیں۔عموماً وہ بات جو منظوم ہو قول کا لفظ قرآن کریم میں (۵۲) باون مرتبہ آیا ہے۔(۸)قرآن کریم کی بابت ارشاد ہوا:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (۹)

''بیشک یہ قول ہے ایک عزت والے رسول کا''(۱۰)

مولوی فیروزالدین نے قول کے معنوں میں سے ایک یہ کیا ہے کہ ''ایک راگ جس کے موجد امیر خسرو ہیں۔''(۱۱)

سلسلہ چشتیہ میں صاحبِ ذوق بزرگ گزرے ہیں ان میں سے ایک صوفی شیخ نظام الدینؒ جن کا لقب سلطان الاولیاء ہے۔صاحبِ ذوق بزرگ تھے سماع کے بہت شائق تھے ہندی راگ کی سر پرستی کرتے تھے، شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ اور شیخ بہاؤ الدین برناویؒ وغیرہ بھی اس فن میں بڑے کامل گزرے ہیں۔ (۱۲)اورامیر خسروؒ جو شیخ نظام الدینؒ کی درگاہ کے فیض یافتہ تھے۔ انہوں نے بھی اس فن کی ترقی میں ایک اہم کردار ادا کیا اس سلسلے میں کی گئی ان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ڈاکٹر عبدالحق ان کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''امیر خسرو کو بھی سلطان الاولیاء ہی کی درگاہ سے فیض پہنچا تھا وہ ان کے خاص مریدوں میں سے تھے اور اکثر ان کے نغموں کو سن کر محظوظ ہوتے تھے امیر خسروؒ نے موسیقی میں جدّتیں دکھائیں ہیں اور فارسی اور ہندی موسیقی کو ملایا ہے اور زیادہ تر غالباً یہی وجہ تھی کہ انہوں نے ہندی میں نظمیں اور دوہے لکھے، ریختہ اسی کا نام ہے جس میں فارسی ہندی دونوں ملی ہوئی ہیں اور یہیں سے اردو کی ابتدا ہوتی ہے۔'' (۱۳)

جس طرح صوفیاء کرام نے اردو زبان کی ابتدائی نشو ونما میں اہم کردار ادا کیا اسی طرح انہوں نے علم اور فنِ موسیقی کے لیے بھی خدمات سرانجام دیں اور اپنے اپنے حصے کا کام کر کے دنیا سے تشریف لے گئے۔

موسیقی ایک علم بھی ہے اور فن بھی ، دیگر علوم وفنون کی ترقی کی طرح علم اور فنِ موسیقی کی ترقی کا سہرا بھی مسلمانوں کے سر ہے۔مسلمانوں نے مختلف قسم کے آلاتِ موسیقی ایجاد کیے، امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی کتاب ''حدائق الانوار فی حدائق الاسرار ''میں علمِ موسیقی کے عنوان سے ایک باب مختص کیا ہے۔جس میں انہوں نے اس علم کی تعریف وموضوع، آواز کی تعریف ومناسبت، علمِ موسیقی کی اہمیت وفضیلت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔کتاب مذکورہ انہوں نے سلطان محمد تکش المعروف خوارزم شاہ کی خواہش پر لکھی بادشاہ نے امام رازیؒ سے ایک ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کی تھی جو تمام علوم کا ضروری تعارف بہم پہنچائے۔(۱۴)

سلسلہ چشتیہ میں رائج قوالی میں آلاتِ موسیقی استعمال ہوتے ہیں۔ذخیرہ حدیث میں ہمیں دو طرح کی روایات ملتی ہیں ان میں ایک قسم اُن روایات کی ہے جو آلاتِ موسیقی کے استعمال کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں اور دوسری قسم اُن روایات کی ہے جن میں آلاتِ موسیقی کے استعمال کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔چنانچہ ان روایات کے تحت پیدا ہونے والا اختلاف جب عوام پر اثر انداز ہوتا ہے تو بہت زیادہ شدت اختیار کر جاتا ہے اور نوبت لڑائی جھگڑے اور گالی گلوچ تک آجاتی ہے۔ایسا ہی ایک واقعہ علامہ منظور احمد فیضی (مرحوم) کے ساتھ کراچی کے ایک مذہبی تعلیمی مرکز میں پیش آیا۔جہاں علامہ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے اور انھیں چالیس ہزار روپے ماہوار وظیفہ ملتا تھا۔علامہ مرحوم، علامہ احمد سعید شاہ کاظمیؒ (۱۵) کے مرید اور اُن سے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت تھے اور منطقی طور پر قوالی معہ مزامیر کو جائز اور حلال سمجھتے تھے۔اس مسئلہ میں وہاں کے طالب علموں نے علامہ مرحوم سے اختلاف کیا اور یہ اختلاف نہایت ہی سنگین صورت اختیار کر گیا جس کی وجہ سے علامہ مرحوم کو اس مدرسے سے استعفیٰ دینا پڑا۔(۱۶)

سماع مع مزامیر کے خلاف سورہ لقمان کی آیت کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے قرآنی آیت ملاحظہ ہو:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ (۱۷)

''اور کئی ایسے لوگ بھی ہیں جو بیوپار کرتے ہیں (مقصد حیات سے) غافل کردینے والی باتوں کا تاکہ بھٹکاتے رہیں راہِ خدا سے (اس کے نتائج بد سے) بے خبر ہوکر۔''

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ آیت مذکورہ کے تحت رقم طراز ہیں:

''علما کے ایک طبقہ نے غنا کے مطلقاً حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور اُس میں انہوں نے موقع محل، سننے والے اور سنانے والے میں کوئی تفریق نہیں کی بلکہ ہر غنا کو حرام قرار دیا ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو خوشی کی کسی مخصوص تقریب کے موقع پر ہو، خواہ اس سماع سے، محبت الٰہی کے جذبہ کو تقویت حاصل ہوتی ہو، چنانچہ اس ضمن میں انہوں نے صوفیائے کرام کے سماع کو بھی ہدف تنقید بنایا ہے اور ان پر خوب برسے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ **انما الاعمال بالنیات** ...... کیوں کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ان اکابر فضلا کے حسن نیت کے متعلق کسی کو بھی شک وشبہ کی مجال نہیں۔ لیکن علما محققین نے ان کے اس فتویٰ کی تائید نہیں کی بلکہ بڑی وضاحت سے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ ہر غنا حرام نہیں بلکہ بعض ایسے مقامات بھی ہیں جہاں اس کی اباحت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔''(۱۸)

پیر محمد کرم شاہ الازہری، علامہ ثناءاللہ پانی پتی کا حوالہ دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ اس آیت میں لہوالحدیث کو حرام کیا گیا ہے اور صوفیاء کا سماع لہوالحدیث کے زمرہ میں نہیں وہ احادیث جن سے غنا کی حرمت ثابت ہوتی ہے وہ بھی مخصوص بالبعض ہیں کیوں کہ ایسی احادیث بھی ہیں جن سے ان کا مباح اور جائز ہونا ثابت ہوتا ہے دونوں قسم کی احادیث میں ہم تطبیق اس طرح کریں گے کہ جو غنا فسق وفجور کا محرک ہو وہ حرام ہے اور جو یادالٰہی کی آگ کو بھڑکا دے وہ جائز ہے آپ نے متعدد ایسی احادیث لکھی ہیں جن سے غنا کا مباح ہونا ثابت ہوتا ہے۔''(۱۹)

علامہ پانی پتی نے اپنی تفسیر میں متعدد ایسی حدیثیں نقل کی ہیں جن سے گیت وغزل خوانی اور محفلِ سماع کا جواز ثابت ہوتا ہے علامہ پانی پتی نے بھی اس حوالے سے ایک کتاب مرتب فرمائی تھی جس کا اردو ترجمہ ''رسالہ سماع ومزامیر'' کے نام سے ''وحید آباد'' کراچی سے ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا، پیر صاحب نے علامہ پانی پتی کی تفسیر سے جن حدیثوں کو نقل کیا ہے ان میں سے ایک حدیث ملاحظہ کیجیے:

''حضرت عائشہؓ کی ایک خادمہ تھی اس کا نکاح انہوں نے انصار قبیلہ میں کردیا۔ حضور ﷺ گھر تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ اس بچی کو تم نے کچھ تحائف دیے ہیں۔ عرض کی گئی ہاں یارسول اللہؐ! پھر پوچھا ''**ارسلت معها من تغنی** ! کیا اس کے ساتھ تم نے کوئی گانے والیاں بھی بھیجی ہیں حضرت صدیقہ نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا **ان الانصار قوم فیه غزل فلو بعثتم معهامن یقول۔ اتیناکم اتینا**

کم فحیاو حیاکم ۔''انصار گیتوں کو پسند کرتے ہیں اچھا ہوتا اگر دلہن کے ساتھ تم بھیجتے جو یہ گیت گاتی''
ہم آئی ہیں تمہارے پاس۔ہم آئی ہیں تمہارے پاس سلام ہو ہم پر۔سلام ہو تو تم پر۔''(۲۰)
استاذِ محترم ڈاکٹر شکیل اوج فرماتے تھے کہ:

''ایسی محافل میں شرکت صحابہ کرام کا اختیاری عمل تھا جس کا دل چاہتا وہ ایسے محافل میں شریک ہوتا اور جس کا دل نہ چاہتا وہ شریک نہ ہوتا وہ ان امور کو ثقافت کا حصہ سمجھتے تھے۔'' مدینہ طیبہ میں غزل خوانی اور موسیقی ثقافتی ورثہ سمجھی جاتی تھیں۔لیکن مکہ میں اگر کسی مسلمان نے دف کا استعمال کیا تو وہ پہلے صحابی ہبار بن اسودؓ ہیں۔جنہوں نے اپنی بیٹی کی شادی میں دف بجایا۔(۲۱)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رقم طراز ہیں کہ:

''صرف وہ غنا حرام ہے جو فسق وفجور کا باعث بنے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کردے اور جو غنا ایسا نہیں وہ حرام نہیں۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ سے یہ امر ثابت نہیں کہ انہوں نے غنا کو تقرب الی اللہ تعالیٰ کا ذریعہ سمجھ کر سنا ہو اس لیے خاندانِ نقشبندیہ کے صوفیاء سماع نہیں سنتے اگرچہ انہوں نے سماع کے قائلین پر اعتراض نہیں کیا۔''(۲۲)

لیکن راقم کی تحقیق کے مطابق سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ نے سماع پر اعتراض کیا اور سماع پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ:

''جب اس طریقہ (سلسلہ نقشبندیہ) کے بزرگ ذکر جہر سے منع کرنے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں (یعنی بدعت کہتے ہیں) تو پھر سماع اور رقص اور وجد کا کیا ذکر ہے وہ احوال ومواجید جو غیر شرع اسباب پر مترتّب ہوں فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہیں'' شیخ صاحب فرماتے ہیں'' اس امر میں حکمائے یونان اور ہند کے جوگی اور برہمن سب برابر ہیں احوال کے سچا اور صادق ہونے کی علامت علومِ شرعیہ کے ساتھ موافق ہونا اور مشتبہ امور کے ارتکاب سے بچنا ہے۔جاننا چاہیے کہ سماع درحقیقت لہوولعب میں داخل ہیں۔'' اور فرمایا'' اس زمانہ کے کچے اور خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ کرکے سرور ورقص کو اپنا دین وملت بنالیا ہے اور اسی کو عبادت سمجھ لیا ہے۔جو شخص فعل حرام کو مستحسن اور اچھا جانے وہ اسلام کے گروہ سے نکل جاتا ہے اور مرتد ہوجاتا ہے تو پھر خیال کرنا چاہیے کہ سماع ورقص کی مجلس کی تعظیم کرنا اس کو اطاعت وعبادت سمجھنا کیسا برا ہے''(۲۳) شیخ صاحب کا رویہ سماع کے حوالے سے سخت ہے۔ان کے برعکس امام غزالیؒ کا نقطہ نظر ملاحظہ فرمائیں آپ فرماتے ہیں'' اگر سرور مباح قسم کا ہو تو اس پر اظہار مسرت کے لیے سماع جائز ہے جیسے عید، شادی کے ایام کسی غائب کے سفر سے واپس آنے کے وقت، ولیمہ، عقیقہ، لڑکے کی پیدائش، اس کا ختنہ اور حفظِ قرآن کے وقت، اسی طرح لڑکے کو جب پڑھنے

کے لیے استاد کی خدمت میں حاضر کیا جائے۔'' (۲۴)

پیر محمد کرم شاہ نقل کرتے ہیں:

''علامہ پانی پتی نے فقہ کی چند جلیل المرتبت کتابوں کے حوالے بھی حاشیہ میں نقل کیے ہیں' ان میں سے ایک حوالہ شرح کافی کا ملاحظہ ہو' اچھی طرح جان لو کہ ہمارے علما کرام کے نزدیک وہ سماع مکروہ ہے جو لہواور گناہ کا باعث ہو فاسقوں کا مجمع ہو تارکِ صلوٰۃ ہوں اور قرآنِ کریم کی تلاوت سے غافل ہوں لیکن جس سماع سے اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو وہ محمود ہے مذموم نہیں وجد وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔'' (۲۵)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری سلسلہ چشتیہ سے تعلق رکھتے تھے اور انھیں سیال شریف کی خانقاہ کا فیضان حاصل تھا مذکورہ حوالوں سے ثابت ہوا کہ پیر صاحب بھی امام فخر الدین رازی ، امام ابوالحامد محمد بن محمد الغزالی، خواجہ امیر خسرو، مولانا فخر الدین زرادی (۲۶) ثناءاللہ پانی پتی، علامہ محمد احمد سعید شاہ کاظمی اور دیگر اکابرینِ اسلام کی طرح محفلِ سماع معہ مزامیر کو جائز سمجھتے تھے۔اس بات کی مزید تصدیق کے لیے راقم نے یکم ستمبر ۲۰۰۷ء کو پروفیسر حافظ احمد بخش استاذ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف و مدیر ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور/ اسلام آباد، سے بذریعہ ٹیلی فون دریافت کیا کہ:

''کیا پیر محمد کرم شاہ الازہری سماع کے قائل تھے؟ اس کے جواب میں پروفیسر حافظ احمد بخش نے کہا

''حضور ضیاءالامتؒ سماع میں مزامیر کے قائل تھے لیکن وہ بغیر ساز کے سماعت فرماتے تھے۔''

محمد کرم شاہ الازہریؒ کے اس طرزِ عمل پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ''مخالفین سماع'' کی الزام تراشیوں سے محفوظ رہنے کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں گے مخالفینِ سماع کا حلقہ وسیع ہے اور وہ گیت، غزل، قوالی اور ترانے مع مزامیر کو جائز نہیں سمجھتے بلکہ شدت سے مخالفت کرتے ہیں۔قوالی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کے نیک بندوں کا ذکر ہوتا ہے، بزرگوں کے اقوال ونصیحت پر مبنی اشعار ہوتے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی ترغیب ارکانِ اسلام پر عمل کرنے کی تاکید ہوتی ہے، انسانوں کی اصلاح کا پہلو واضح ہوتا ہے ایسے گیت، نظمیں، ترانے اور قوالیاں سننا کس طرح حرام ہو سکتی ہیں؟

اسلام دینِ فطرت ہے رہبانیت کا مذہب نہیں، اسلام انسانوں کو خوش وخرم دیکھنا چاہتا ہے۔قرآن کریم نے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ورحمت ملنے پر خوشی منانے کا حکم دیا ہے۔جیسا کہ ارشاد ہوا۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلْيَفْرَحُوْا ط هُوَ خَيْرٌ مِّمَّايَجْمَعُوْنَ (۲۷)

''(اے حبیب!) آپ فرمائیے یہ کتاب محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے نازل ہوئی ہے پس چاہیے کہ اسی پر خوشی کریں یہ بہتر ہے ان تمام چیزوں سے جن کو وہ جمع کرتے ہیں۔'' (۲۸)

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ (۲۹)

''اور اپنے ربّ (کریم) کی نعمتوں کا ذکر فرمایا کیجیے۔'' (۳۰)

خوشی منانے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں ان میں سے ایک طریقہ گیت سننے کا بھی ہے۔شریعت میں خوشی منانے کی

ممانعت نہیں۔شرعی حدود میں رہتے ہوئے خوشی کے وقت مسلمان ہر وہ کام کرسکتا ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے۔خوشی کے دن منانے کی کوئی حد نہیں،اس کے برعکس اسلام نے سوگ کے دن مقرر کر کے سوگ منانے کے دنوں کو محدود کر دیا ہے زیادہ دن سوگ منانا اللہ تعالیٰ کی ناشکری میں شامل ہے۔سوگ منانے میں بھی چند شرائط کو ملحوظِ خاطر رکھنا ہوگا تا کہ کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہوجائے جو ناشکری کا باعث بنتا ہو۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مصیبت کے وقت صبر کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور فرمایا کہ تم میرے شکر گزار بن کر رہنا کفرانِ نعمت نہ کرنا۔اس لیے مسلمان کا ہر دن جو اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری میں گزرے یومِ عید ہے اور جو رات اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری میں گزرے وہ شبِ قدر ہے۔

اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سلسلہ چشتیہ میں رائج قوالی کا طریقہ درست اور جائز ہے۔مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین مفتی منیب الرحمٰن نے ایک غیر سرکاری ٹی وی چینل پر نشر ہونے والے مذہبی پروگرام (۳۱) میں دریافت کیے گئے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ:

''اگر موسیقی کلام کے پس پردہ ہو اور ساز کی آواز کلام پڑھنے والے کی آواز پر غالب نہیں آتی تو جائز ہے''

مفتی صاحب کا یہ جواب ہماری رائے میں صائب ہے۔

حواشی:

۱۔جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ نے شیخ امین الدین اور خواجہ ہبیر بصری کو ایک ہی شخص تصور کیا ہے۔

۲۔صباح الدین عبدالرحمٰن،سید،بزمِ صوفیہ،علامہ ابوالبرکات اکیڈمی لاہور،۱۹۸۸ء،ص ۳۶۔۳۷

۳۔اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ،طبع اوّل،دانشگاہ سیماب،لاہور،جلد ۷،ص ۶۴۸

۴۔محمود،محمد قاسم،سید،اسلامی انسائیکلو پیڈیا،س۔ن،ص ۱۳۸۱

۵۔مولوی فیروز الدین،فیروز اللغات اردو جامع،ص ۸۰۸/ص ۹۶۴

۶۔امام غزالیؒ کی تصنیف ''احیاء علوم الدین'' کا مذکورہ باب ''وجد و سماع'' کے عنوان سے ہے جو کہ ایک الگ کتاب کی صورت میں ''ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور نے شائع کیا ہے،ترجمہ وتہذیب کی خدمات محترم سید نصیر شاہ اور رفیع اللہ (ایم۔اے) نے سرانجام دیں ہیں۔

۷۔اسلامی انسائیکلو پیڈیا،ص ۹۵۶

۸۔عبدالباقی ،محمد فواد ،المعجم المفهرس لالفاظ قرآنِ کریم ،(المصر،ذوی القربیٰ ۱۹۸۸ء)ص ۷۳۲۔۷۳۳

۹۔سورۃ الحاقۃ:۴۰

۱۰۔پیر محمد کرم شاہ،جمال القرآن،ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور،نومبر ۱۹۹۹ء،ترجمہ آیت مذکورہ

۱۱۔فیروز اللغات اردو جامع،ص ۹۶۵

۱۲۔مولوی عبدالحق،ڈاکٹر،اردو کی ابتدائی نشو نما میں صوفیائے کرام کا کام،انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی،۱۹۸۶ء،ص ۱۶

۱۳۔ایضاً

۱۴۔رازی،محمد بن عمر فخر الدین/ مترجم محمد فاروق القادری،حدائق الانوار فی درائق الاسرار/ جامع العلوم،اردو ترجمہ،فرید بک اسٹال لاہور،۱۹۸۸ء،ص ۳۰

۱۵۔علامہ احمد شاہ کاظمی پاکستان کے ان دو علما میں سے ایک ہیں جن کے بارے میں پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق نے فرمایا تھا کہ انھیں سونے میں تولا جاسکتا ہے۔استاذ محترم ڈاکٹر محمد شکیل اوج فرماتے تھے کہ علامہ کاظمی نے وراثت کے ایک مسئلہ میں علامہ چودھری غلام احمد پرویز کو لا جواب کر دیا تھا۔علامہ کاظمی متعدد علمی اور مذہبی تنظیموں کے بانی تھے اور بڑے پائے کے عالم،مفسر و مترجم قرآن اور شیخ الحدیث تھے۔

۱۶۔ماہنامہ السعید،ملتان،مارچ ۲۰۰۵ء،ص ۱۱۔۱۳

۱۷۔سورۂ لقمان:۶

۱۸۔محمد کرم شاہ،پیر،تفسیر ضیاء القرآن،ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور،۱۹۹۹ء،جلد سوم،ص ۵۹۹

۱۹۔ایضاً ص ۶۰۰

۲۰۔ایضاً

۲۱۔العسقلانی ،ابنِ ھجر،الاصحابہ فی تمیز الصابہ،لبنان دار الکتب العلمیہ بیروت،س۔ن،ج ۷،ص ۲۸۰

۲۲۔تفسیر ضیاء القرآن،جلد سوم،ص ۶۰۱

۲۳۔سرہندی،شیخ احمد،مکتوبات امام ربانی (اردو) مکتبہ مدنیہ،لاہور،س۔ن،جلد اوّل،ص ۲۶۶

۲۴۔تفسیر ضیاء القرآن،جلد سوم،ص ۶۰۱

۲۵۔ایضاً

۲۶۔مولانا فخر الدین زرادیؒ جید عالم دین اور شیخ نظام الدین اولیاؒ کے خلیفہ تھے آپ نے بھی سماع کی اباحت میں دو رسالے تصنیف کیے تھے۔ایک رسالہ ''اصول السماع ۱۳۱۱ھ میں مولانا غلام احمد برہان نے مسلم پریس جھجر سے شائع کیا تھا۔خلیق احمد نظامی،تاریخ مشائخ چشت کراچی،اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس کراچی،۲۰۰۷ء،جلد اوّل،ص ۲۱۷

۲۷۔سورۂ یونس:۵۸

۲۸۔محمد کرم شاہ،جمال القرآن،ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور،نومبر ۱۹۹۹ء،ترجمہ آیت مذکورہ

۲۹۔سورۂ الضحیٰ:۱۱

۳۰۔جمال القرآن ترجمہ آیت مذکورہ

۳۱۔جیوٹی وی چینل کا معروف مذہبی پروگرام عالم آن لائن (یوم آزادی اسپشل)اسلامی جمہوریہ پاکستان کے یوم آزادی کی مناسبت سے اگست ۲۰۰۴ء کو نشر ہوا تھا۔

پاکستانی جامعات میں شاہ ولی اللہؒ شناسی
پی۔ ایچ۔ ڈی کے سطح کے تحقیقی مقالات کا توضیحی اشاریہ

محمد انس حسان
لیکچرار، شعبۂ اسلامیات، گورنمنٹ ڈگری کالج جہانیاں

Abstract

Imam Shah Wali Ullah (1703-1762) has influnced the literary circle of the Sub-Continent very deeply. He was interpreter of Quran and Hadith as well as thinker and researcher of first rank. He has been paid tribute due to his literary qualities by many scholars. That is why a great number of books and articles about him is found. Chairs with reference to this great personality have been established by various universities. Many universities have awarded the degrees of M.A, M.Phil and P.h D to the students who have worked on his thoughts and mode of thinking. Even then the need of standard research in this regard can be felt. It was needed that an explanatory concordance about the research work done.in our universities should be compiled. I have tried to collect and compile the data regarding research done on Shah Wali Ullah in any university of Pakistan. So explanatory concordance regarding research Thesises of P.h D level written on Shah Wali Ullah is presented in first phase.

Key words: Shah Waliullah, Ph.D dissertations, Pakistani Universities

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ بمطابق ۲۱/فروری ۱۷۰۳ء چہارشنبہ کے دن طلوع آفتاب کے وقت شیخ محمد پھلتی کی صاحبزادی فخر النسا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ (۱) آپ کا نام قطب الدین بختیار کاکیؒ کے نام پر ''قطب الدین'' رکھا گیا جبکہ تاریخی نام ''عظیم الدین'' ہے۔(۲) تاہم ''ولی اللہ'' کے نام سے آپ کو شہرت ملی۔ آپ کے والد شاہ عبدالرحیم دہلویؒ (۱۶۴۴ء۔۱۷۱۸ء) بہت بڑے عالم دین اور صوفی تھے۔ انہوں نے ''فتاویٰ عالمگیری'' کی تدوین میں حصہ لیا تھا۔ شاہ صاحبؒ کا سلسلۂ نسب والد کی طرف سے تیس واسطوں سے حضرت فاروق اعظمؓ تک اور والدہ کی طرف سے امام موسیٰ کاظمؒ تک پہنچتا ہے۔ ہندوستان کے اس وقت کے رواج کے مطابق شاہ صاحبؒ نے پندرہویں سال میں تعلیم سے فراغت حاصل کرلی۔ اسی دوران آپ

کی شادی آپ کے ماموں کی بیٹی اور شیخ محمد عاشق پھلتی (۱۶۹۹ء۔۱۷۷۴ء) کی بہن ''امۃ الرحیم'' سے ہوئی، تاہم مختصر عرصہ ہی میں اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بطن سے ایک صاحبزادے شیخ محمد (۳) جبکہ ایک صاحبزادی امۃ العزیز (۴) تھیں۔

شاہ صاحبؒ نے دوسرا عقد ۱۱۵۲ھ /۱۷۳۹ء میں سونی پت میں ''بی بی ارادت'' سے کیا اور ان کے بطن سے نو اولادیں ہوئیں جن میں سے درج ذیل چار فرزندان گرامی کو خصوصی شہرت نصیب ہوئی۔ شاہ عبدالعزیز (۱۷۴۵ء۔۱۸۲۲ء)، شاہ رفیع الدین (۱۷۴۹ء۔۱۸۱۸ء)، شاہ عبدالقادر (۱۷۵۲ء۔۱۸۱۵ء) اور شاہ عبدالغنی (۱۷۵۵ء۔۱۷۸۸ء)۔

شاہ صاحبؒ نے تحصیلِ علم کے بعد کم و بیش ۱۲ سال تک اپنے والد کے قائم کردہ ''مدرسہ رحیمیہ'' میں درس دیا، جن میں سے تین سال ایسے ہیں جن میں وہ اپنے والد کی زندگی میں درس دیتے رہے۔ ۱۱۴۳ھ /۱۷۳۰ء کے آخر میں حج سے مشرف ہوئے اور زیارت کے ساتھ ساتھ شیوخِ حدیث (بالخصوص شیخ محمد طاہر مدنیؒ) سے خوب کسبِ فیض کیا۔ شاہ صاحبؒ کی عمر اس وقت ۳۰ سال تھی۔ (۵) ۱۱۴۴ھ /۱۷۳۱ء میں آپ نے دوبارہ مناسک حج ادا کیے اور ۱۱۴۵ھ /۱۷۳۲ء کے اوائل میں واپس ہندوستان تشریف لے آئے۔ (۶) اسی سفر میں آپ کو ایک روحانی مکاشفہ کے ذریعہ بتایا گیا کہ وہ ''قائم الزماں'' ہیں۔ (۷) اور برعظیم کے معروضی حالات میں انہیں اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ چنانچہ اس سفر سے واپس آ کر شاہ صاحبؒ نے برعظیم کے حالات کا عمیق مشاہدہ کرنے کے بعد مختلف شعبوں میں زوال کے اسباب اور ان کے حل کے لیے ایک واضح اور مکمل نظامِ فکر کو اپنی متعدد کتب میں مرتب کیا۔ ان کے بعد اس فکر کو ان کے فرزند شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے عام فہم انداز میں عوامی سطح پر متعارف کروایا۔

بنا بریں شاہ صاحبؒ مدرسہ رحیمیہ کی تدریسی ذمہ داریاں اپنے فرزندِ ارجمند شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کو منتقل کر کے خود تصنیفی مصروفیات میں مشغول ہو گئے۔ جن کی ترتیب و تسوید کا کام ان کے ماموں زاد اور دوست شیخ محمد عاشق پھلتیؒ نے سرانجام دیا۔ مولانا نسیم احمد فریدی کے مطابق شاہ صاحبؒ کی کتب کی تعداد ۶۱ کے قریب ہے۔ انہوں نے شاہ صاحب سے غلط طور پر منسوب آٹھ کتب کا ذکر بھی کیا ہے۔ (۸) لیکن ڈاکٹر محمد مظہر بقاؒ کے مطابق آپؒ کی تصنیف کردہ کتب کی تعداد ۳۷ ہے۔ (۹) البتہ آٹھ غلط طور پر منسوب کتب کا وہ بھی اعتراف کرتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کے سب سے پہلے اردو سوانح نگار رحیم بخش کے مطابق شاہ صاحبؒ کی کتب کی تعداد تو ۱۰۰ سے بھی متجاوز ہیں تاہم انہوں نے شاہ صاحبؒ کی ۴۵ کتب کا ذکر کیا ہے۔ (۱۰) محض ۶۱ سالہ زندگی میں سے ۲۸ سالہ تصنیفی زندگی میں ۶۱ علمی کتب و رسائل کی تصنیف ایک محیر العقول کام ہے، جس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔

آپؒ کے مرض الموت کا آغاز بڈھانہ (ضلع مظفر نگر) سے ہوا۔ ۱/ جولائی ۱۷۶۲ء کو آپ علاج کے لیے دہلی تشریف لائے اور اپنے مرید و شاگرد بابا فضل اللہ کشمیری کے مکان پر قیام کیا۔ ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ بمطابق ۲۰/ اگست ۱۷۶۲ء جمعہ کے دن ظہر کے وقت آپ کا انتقال ہوا۔ منہدیاں کے قبرستان میں اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ ''او بود امام اعظم دین'' سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

شاہ ولی اللہ کی شخصیت کئی حوالوں سے اہمیت کی حامل ہے۔ وہ بیک وقت مفسر و محدث ہونے کے ساتھ ایک بلند درجہ کے مفکر اور فلاسفر بھی ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ تمام مسلک اور مکاتب فکر میں یکساں مقبول ہیں۔ ان کی انہی گوناگوں خصوصیات

کومختلف اہل علم نے اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔مختلف مما لک میں ان پر تحقیق کے لیے با قاعدہ ریسرچ سینٹر قائم ہیں۔(۱۱) اگر چہ ان پر اب تک کافی کام ہوا ہے لیکن اب بھی معیاری کام کی گنجائش باقی ہے۔مولانا مختار عالم حق نے شاہ صاحب کی اپنی کتب کا اشاریہ مرتب کیا ہے، جو شاہ صاحب کی مختلف کتب کے جملہ ایڈیشنز کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے کہ کون سی کتاب کب کب اور کہاں کہاں سے طبع ہوئی۔(۱۲)اسی طرح محترم ذولقرنین اختر نے شاہ صاحب کی شخصیت اور فکر پر مختلف مجلّات میں طبع ہونے والے ۲۳۰ مضامین کا اشاریہ مرتب کیا ہے۔(۱۳) پاکستان میں شاہ صاحب کی قلمی کتب کے حوالے سے ڈاکٹر سفیر اختر نے بھی ایک مضمون تحریر کیا ہے۔(۱۴)ان سب کاموں کو چونکہ کافی عرصہ ہوگیا اس لیے ان میں مزید تحقیق اور توسیع کی گنجائش موجود ہے۔ضرورت تھی کہ پاکستانی جامعات میں شاہ صاحب پر ہونے والے کام کا بھی اشاریہ مرتب کیا جائے جو راقم نے کافی محنت سے مرتب کیا ہے۔گوشاہ صاحب پر مرتب کئے گئے پیش نظر اشاریہ کو بھی حتمی اور مکمل نہیں کہا جاسکتا لیکن اتنا ضرور ہے کہ پاکستانی جامعات میں شاہ صاحب پر ہونے والے تحقیقی کام کے حوالے سے کافی حد تک معلومات اس اشاریہ میں آ گئی ہیں۔راقم کی اب تک کی تحقیق کے مطابق پاکستانی جامعات میں شاہ صاحب پر مختلف سطح کے اسّی (۸۰) کے قریب تحقیقی مقالات لکھے جا چکے ہیں۔ ذیل میں شاہ صاحب پر لکھے گئے پی۔ایچ۔ڈی سطح کے تحقیقی مقالات کا توضیحی اشاریہ پیش خدمت ہے۔اگلے مرحلے میں ایم۔فل اور پھر ایم۔اے سطح کے تحقیقی مقالات کا توضیحی اشاریہ بھی پیش کیا جائے گا۔ان شاءاللہ۔

....

عنوان مقالہ:اصول فقہ میں شاہ ولی اللہ کا مسلک،فروع میں ان کے رجحانات اوراجتہاد میں ان کے مقام کی تعین

مقالہ نگار:محمد مظہر بقا

نگران مقالہ:سید محمد یوسف

سیشن:۱۹۶۸ء

درجہ:پی۔ایچ۔ڈی

شعبہ:علوم اسلامی (جامعہ کراچی)

صفحات:۷۸۴

مقالہ نگار نے مقالے کو سات ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

☆ پہلے باب میں امام شاہ ولی اللہ دہلوی کے دور کے سیاسی ومعاشرتی حالات اور شاہ صاحب کی شخصیت وخدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس ضمن میں شاہ صاحب کی تصانیف پر بھی بڑی جامع بحث کی گئی ہے۔

☆ دوسرے باب میں ''کتاب'' کے عنوان کے ذیل میں شاہ صاحب کے حوالے سے محکم ومتشابہ اور نسخ پر بحث کی گئی ہے۔

☆ تیسرے باب میں ''سنت'' کے عنوان سے سنت کی تعریف اور تعارض وترجیح پر بحث کی گئی ہے۔

☆ چوتھے باب میں متعلقات کتاب وسنت کے ذیل میں تاویل، دلالت، عام وخاص، حقیقت ومجاز، امر ونہی، مطلق ومقید کی بحث کی

گئی ہے۔

☆ پانچویں باب میں شاہ صاحب کے حوالے سے اجماع پر بحث کی گئی ہے۔

☆ چھٹے باب میں شاہ صاحب کے حوالے سے قیاس پر بحث کی گئی ہے۔

☆ ساتویں باب میں استدلال، استحسان، مصالح مرسلہ، استصحاب اور کشف والہام پر بحث کی گئی ہے۔

☆ آٹھواں باب اجتہاد کے عنوان سے ہے اور اس میں اجتہاد اور تقلید کے حوالے سے دو مبحث قائم کیے ہیں۔

یہ مقالہ کتابی شکل میں ''اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ'' کے نام سے شائع بھی ہو چکا ہے۔ چنانچہ ۱۹۷۳ء میں ادارۂ تحقیقات اسلامی (اسلام آباد) سے شائع ہوا اور اس کی دوسری اشاعت بقاء پبلیکیشنز (کراچی) سے ۱۹۸۶ء میں عمل میں آئی۔ اس کی پہلی اشاعت سے قبل پروفیسر ڈاکٹر صغیر حسن معصومی نے اپنے پیش لفظ میں لکھا تھا کہ اس کی ایڈیٹنگ کی طرف خاص توجہ کی گئی۔ ان اصلاحات کے حوالے سے مقالہ نگار کی رائے ہے کہ اس ایڈیٹنگ کے نتیجے میں عنوانات اور عبارتوں میں جہاں جہاں اصلاحات عمل میں آئیں ان میں سے بعض اصلاحات اچھی اور مفید بھی ہیں۔ لیکن بعض اصلاحات سے مقالہ نگار مطمئن نہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے نتیجہ میں حذف، تغییر اور تحریف کی ایسی صورتیں بھی پیش آئی ہیں جو کسی بھی مصنف کے لئے قابل برداشت نہیں ہو سکتیں۔ مقالہ نگار کے مطابق اس ایڈیشن میں ہزاروں الفاظ اور جملے نامناسب طور پر بھی تبدیل کئے گئے ہیں۔ سینکڑوں عبارتیں اور دسیوں پیراگراف حتیٰ کہ تین تین صفحات حذف کر دیئے گئے ہیں۔ صرف مقدمہ کے ۱۰۱ صفحات میں سے تقریباً ۲۰۰ سطریں اور مجموعی طور پر پوری کتاب سے تقریباً ۱۰۰۰ سطریں حذف کر دی گئی ہیں کہیں کہیں یہ ظلم بھی کیا گیا ہے کہ مقالہ نگار نے جو بات لکھی تھی اس کے بجائے وہ بات لکھ دی گئی جو بالکل اس کے برعکس ہے۔ (۱۵) انہی وجوہ سے مقالہ نگار اس پہلے ایڈیشن میں شائع شدہ ہر ہر بات کو اپنی طرف منسوب کرنے سے اپنے برأت کا اظہار کرنے پر مجبور ہو گئے اور اس مقالہ کی دوسری اشاعت پر آمادہ ہوئے۔ اس دوسری اشاعت کے مقدمے میں مقالہ نگار نے قریب ۳۷ صفحات پر ان مقامات کی نشاندہی بھی کی ہے جن پر ان کو تحفظات ہیں۔ باوجود یہ کہ مقالہ نگار سے بعض مقامات پر اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ مقالہ شاہ ولی اللہ دہلوی پر لکھے گئے اب تک کے مقالات میں سب سے عمدہ مقالہ ہے۔ مقالہ نگار نے محققانہ انداز میں ثابت کیا ہے کہ فروعی مسائل میں شاہ صاحب ۸۰ فیصد احناف کے خلاف ہیں جبکہ ۷۰ فیصد سے زائد مسائل میں شوافع کے ساتھ ہیں۔ (۱۶) مقالے کے آخر میں تتمہ کے ذیل میں مقالہ نگار نے ان فروعی مسائل کی نقشے کی صورت میں نشاندہی بھی کی ہے۔

Topic:The Role of Shah Waliy Allah in Muslim Revivalism in the Subcontinent of India and Pakistan.
Researcher:Mahmood Ahmad Ghazi
Supervisor:Muhammad Aslam
Year:1988
Class:Ph.D
Deptt:History(Punjab University,Lahore)
Pages:397

مقالہ نگار نے مقالے کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

☆ پہلے باب کا عنوان ہے''The Historical Background''۔اس باب میں شاہ صاحب کے دور کے سیاسی، سماجی اور اخلاقی حالات کا تاریخی پس منظر بیان کیا گیا ہے۔

☆ دوسرے باب کا عنوان ہے''The Life and Times of Shah Wali Allah''۔اس باب میں شاہ صاحب کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں۔

☆ تیسرے باب کا عنوان ہے''Shah Wali Allah's Contribution to Islamic Renaissance''۔ اس باب میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے حوالے سے شاہ صاحب کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆ چوتھے باب کا عنوان ہے'' The Influence of Shah Wali Allah on Later Islamic Movement''۔اس باب میں برصغیر کی اسلامی تحریکات پر شاہ صاحب کی فکر کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

آخر میں پورے مقالے کا نتیجہ بحث بیان کیا گیا ہے۔مقالہ انتہائی محنت سے لکھا گیا ہے اور مقالہ نگار نے موضوع کے ساتھ مکمل انصاف کیا ہے۔مصادر ومراجع بھی بنیادی ہیں البتہ اصل متن کی بجائے اکثر اس کا حوالہ دینے کا اسلوب اپنایا گیا ہے۔مقالہ نگار کا ماننا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے برصغیر میں اسلامی فکر کی نشاۃ ثانیہ میں بڑا نمایاں کردار ادا کیا اور احیاء دین کی اس عظیم کارنامے کے سبب وہ بجا طور پر اپنے وقت کے مجدد کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔(۱۷) اس مقالے کو ادارہ تحقیقات اسلامی نے 2002ء میں'' Islamic Renaissance in South Asia: The Role of Shaha Wali Allah and his Successors''کے عنوان سے طبع بھی کیا جس میں ڈاکٹر محمود احمد غازی نے بہت سے مقامات پر اصلاح کی اور اشاریہ کا اضافہ کیا جس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوا۔لیکن مناسب ہوتا کہ برصغیر کی وہ تحریکات جو اپنی نسبت شاہ صاحب سے کرتی ہیں ان کے افکار کو شاہ صاحب کی افکار سے تقابل کر کے حقائق سامنے لائے جاتے۔

....

عنوان مقالہ: شاہ ولی اللہ کی مابعد الطبیعات

مقالہ نگار: ملک غلام مرتضیٰ

نگران مقالہ: خواجہ غلام صادق

سال تکمیل: ۱۹۷۹ء

درجہ: پی۔ایچ۔ڈی

شعبہ: فلسفہ (جامعہ پنجاب، لاہور)

صفحات: ۲۳۹

یہ مقالہ بنیادی طور پر چار حصوں اور تیئیس ابواب پر مشتمل ہے۔

☆ پہلا حصہ ۳۳ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔اور اس باب میں شاہ صاحب کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں۔بعد ازاں شاہ صاحب کے تبلیغی وعلمی کارناموں پر بحث کی گئی ہے۔اسی طرح شاہ صاحب کے فلسفہ مابعد الطبیعات کا عمومی تعارف کروایا گیا ہے۔

☆ دوسرا حصہ ۴۵ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب کا عنوان ہے ''حقیقت کائنات''۔اس باب میں مقالہ نگار نے شاہ صاحب کے فلسفے کی اصطلاحات مثلاً تدبیر عالم، شخص اکبر، عالم مثال، حظیرۃ القدس اور ملاءاعلیٰ وغیرہ کی بڑی عمدہ تفصیل بیان کی ہے۔

☆ تیسرا حصہ ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب کا عنوان ہے ''خدا کا تصور''۔اس باب میں ابن عربی کے فلسفہ وحدۃ الوجود اور مجدد الف ثانی کے وحدۃ الشہود پر بحث کی گئی ہے۔بعد ازاں ان دونوں فلسفوں کی تطبیق میں شاہ صاحب کا منہج واسلوب واضح کیا گیا ہے۔

☆ چوتھا حصہ ۶۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب کا عنوان ہے ''انسان''۔اس باب میں حقیقت انسانی، انسانی ملکات، انسانی اعمال اور اصطلاحات تصوف پر بحث کی گئی ہے۔

مقالہ نگار پروفیسر ملک غلام مرتضیٰ شہید ایک جید عالم دین تھے۔ان کا یہ مقالہ بعد میں ''شاہ ولی اللہ کا فلسفہ مابعد الطبیعات'' کے عنوان سے زیب تعلیمی ٹرسٹ (لاہور) سے طبع بھی ہوا تھا۔اس مقالے میں انہوں نے بڑی تفصیل سے شاہ صاحب کے فلسفہ مابعد الطبیعات کا جائزہ لیا ہے جو لائق مطالعہ اور لائق تحسین ہے۔لیکن حیرت ہے کہ شاہ صاحب کے فکر وفلسفے کے اتنے تفصیلی تجزیے کے بعد مقالہ نگار نے اختتام پر لکھا ہے کہ: ''ہمیں ان (شاہ صاحب) کے ہاں اصطلاحات کے ایک طویل گورکھ دھندے سے دوچار ہونا پڑا۔راقم کی نظر میں افکار وتصورات کا یہ پورا نظام محل نظر ہے اور کتاب وسنت کی روشنی میں اس پر نقد وتبصرہ کیا جاسکتا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا، اس کی توفیق شامل حال رہی اور اپنی علمی بے مائیگی کا احساس زیادہ مدت تک حائل ومانع نہ رہا تو یہ کام بھی راقم کے ہاتھوں جلد ہی سرانجام ہوگا''۔(۱۸) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقالہ نگار نے اس حوالے سے اپنے اس مقالے میں نقد ونظر کیوں نہ کیا؟ پی۔ایچ۔ڈی سطح کے اس مقالے کا تقاضا تھا کہ ان تمام امور پر بات کی جاتی جن کا تذکرہ مقالہ نگار نے آخر میں کیا ہے۔مذکورہ بالا جملے سے تو مقالہ نگار کے کام پر خود سوالیہ نشان پیدا ہو جاتا ہے۔ بہرحال مقالہ مجموعی لحاظ سے بڑی محنت سے لکھا گیا ہے اور مقالہ نگار نے اولین مآخذ سے استفادہ کیا ہے۔مقالہ کے آخر میں اصلاحات کی تشریح دی گئی ہے جو کہ ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

....

عنوان مقالہ: شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے اقتصادی نظریات

مقالہ نگار: محمد دین

نگران مقالہ: قاضی مجیب الرحمٰن الازہری

سال تکمیل: ۱۹۸۶ء

درجہ: پی۔ایچ۔ڈی

شعبہ: علوم اسلامیہ (پشاور یونیورسٹی)

صفحات: ۵۲۱

یہ مقالہ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔

☆ پہلا باب ۲۳۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اسے ۱۲ ذیلی فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس باب میں شاہ ولی اللہ دہلوی کے حالات وخصوصیات، آپ کے دور کے سیاسی حالات، علوم شریعہ میں آپ کی خدمات، آپ کے علوم کے شارحین وناقدین اور تصانیف پر بڑی تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

☆ دوسرا باب ۴۳ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب کو دو ذیلی فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس باب میں شاہ صاحب کے عہد کے معاشی حالات اور ولی اللّٰہی نظام میں معاشیات کی اہمیت پر بڑی جامع بحث کی گئی ہے۔

☆ تیسرا باب ۱۹ صفحات پر مشتمل ہے۔اس باب میں انسان کی اولین معاشی ضروریات کے حوالے سے شاہ صاحب کے افکار کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆ چوتھا باب ۱۳ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب میں قصباتی زندگی اور اس کے معاشی لوازم کے حوالے سے شاہ صاحب کے افکار ونظریات پر بحث کی گئی ہے۔

☆ پانچواں باب ۳۱ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب میں شہری وقومی حکومت اور اس کے معاشی امور کے حوالے سے شاہ صاحب کے افکار ونظریات پر بحث کی گئی ہے۔

☆ چھٹا باب ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب میں بین الاقوامی حکومت اور اس کا مالی نظام وامور پر شاہ صاحب کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔

☆ ساتواں باب ۳۵ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب میں شاہ صاحب کی فکر کی روشنی میں ریاست کی اقتصادی ذمہ داریاں اور تقسیم دولت میں اعتدال کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

☆ ساتواں باب ۹۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب میں شاہ صاحب کی فکر کی روشنی میں تعاون واشتراک اور معاشی تنزل کو روکنے کی تدابیر کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

یہ مقالہ بہت محنت سے لکھا گیا ہے اور شاہ ولی اللہ کے معاشی نظریات پر شاید پہلا تحقیقی مقالہ ہے۔اسی افادیت کے پیش نظر تاج کمپنی (لاہور) نے اسے طبع بھی کیا تھا۔مقالہ ٹائپ کیا ہوا ہے، جسے پڑھنا کافی مشکل ہے۔تاہم کتابی شکل میں اس سے استفادہ ممکن ہے۔مقالہ نگار کا کہنا ہے کہ ایک عالم ربانی کی حیثیت سے شاہ صاحب کا موضوع بحث رانج طور پر انسانی زندگی کا اخلاقی ومذہبی پہلو ہونا چاہیے تھا اور ہے۔تاہم یہ شاہ صاحب کے جامع اور ہمہ گیر تصور دین کا کمال ہے کہ انہوں نے اپنے مابعدالطبیعاتی مباحث، تصوف اور اعلیٰ اخلاقیات کے ساتھ ساتھ اپنے عمرانی فلسفے میں انسان کی معاشی ضرورتوں کو بھی غیر معمولی

اہمیت دی ہے۔(۱۹)مقالے میں املاء کی اغلاط نہ ہونے کے برابر ہیں۔تاہم سقم یہ ہے کہ عربی وفارسی عبارات کے طویل اقتباسات دیے گئے ہیں اس پر مستزاد یہ کہ اکثر مقامات پر تراجم سے بھی اعراض برتا گیا ہے۔

....

عنوان مقالہ: شاہ ولی اللہ کا نظریہ اجتہاد وتقلید

مقالہ نگار: صاحبزادہ نجم الدین

نگران مقالہ: امان اللہ خان

سال تکمیل: ۱۹۸۷ء

درجہ: پی۔ایچ۔ڈی

شعبہ: علوم اسلامیہ (جامعہ پنجاب، لاہور)

صفحات: ۳۲۲

یہ مقالہ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے، جن کی ترتیب کچھ یوں ہے۔

☆ پہلا باب امام شاہ ولی اللہ کے حالات زندگی، تصانیف اور افکار پر مشتمل ہے۔اس باب کے ۴۶ صفحات پر بڑے اختصار کے ساتھ متعلقہ موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆ دوسرا باب ۵۹ صفحات پر مشتمل ہے۔اس باب میں شاہ صاحب کی کتاب ''فیوض الحرمین'' کا خصوصی جائزہ لیا گیا ہے۔یہ کتاب چونکہ امام شاہ ولی اللہ کے منصب تجدید کے حوالے سے بنیادی معلومات فراہم کرتی ہے اس لیے مقالہ نگار نے اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس باب کے ضمن میں امام شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اجتہاد وتقلید کا عمومی تعارف بھی آ گیا ہے۔

☆ تیسرے باب کا عنوان ہے''عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید کا مختصر معروضی جائزہ''۔یہ باب ۷ اصفحات پر مشتمل ہے اور اس مختصر باب میں اس کتاب کا عمومی تعارف کروایا گیا ہے۔

☆ چوتھا باب ۲۱ صفحات پر مشتمل ہے۔اس باب میں شاہ صاحب کی اس کتاب ''عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید'' کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

☆ پانچواں باب ۷۵ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب میں بڑی تفصیل سے اجتہاد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس ضمن میں اور بہت سی مفید معلومات بھی آ گئی ہیں۔

☆ چھٹا باب ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب میں''ائمہ کے اختلاف کی حقیقت ونوعیت وافادیت'' پر روشنی ڈالی گئی ہے۔دور حاضر میں اجتہاد کے لیے شاہ صاحب کے فلسفہ اجتہاد سے کیسے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، اس پر بھی بات کی گئی ہے۔

☆ ساتواں باب ۳۹ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب میں تقلید کے حوالے سے بڑی مفید بحث کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ شاہ صاحب مذاہب اربعہ کی تقلید کے قائل تھے اور خود مسلکاً حنفی تھے۔

☆ آٹھویں باب کا عنوان ہے" شاہ ولی اللہ کا نظریۂ اعتدال"۔اس باب میں مقالہ نگار نے بڑی محنت سے شاہ صاحب کی متعدد مثالیں ایسی جمع کر دی ہیں جن سے اس اہم موضوع کے حوالے سے ان کے معتدل رویے کی وضاحت ہوتی ہے۔یہ باب ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے اور بڑا دلچسپ ہے۔

مقالہ نگار کے نزدیک اس مقالے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ دورِ جدید کے تقاضوں کے پیش نظر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے اجتہاد وتقلید کے متعلق افکار ونظریات پیش کئے جائیں اور ان غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جائے جو شاہ صاحب کے متاخرین نے ان سے اجتہاد یا تقلید کے ضمن میں منسوب کر دی تھیں اور اُن خطوط کا واضح تعین کیا جائے جو اسلام ہمیں اجتہاد یا تقلید کے سلسلے میں فراہم کرتا ہے۔اس راہ اعتدال میں شاہ صاحب کا مقام ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔(۲۰) مقالہ کے آخر میں مصادر ومراجع میں اردو کتب کی تعداد ۲۱۷ ہے اور انگریزی کتب کی تعداد ۱۰ ہے۔مقالہ میں حوالہ جات Foot Notes کے ذریعے دیئے گئے ہیں۔ یہ مقالہ اس قابل ہے کہ اس کو مناسب ترامیم کے بعد اگر طبع کیا جائے تو اجتہاد کے اہم موضوع پر ایک عمدہ اضافہ ہوگا۔

....

عنوان مقالہ: علم الحدیث میں شاہ ولی اللہ کی خدمات

مقالہ نگار: ایم۔ایس ناز

نگران مقالہ: جناب ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک

سال تکمیل: ۱۹۸۷ء

درجہ: پی۔ایچ۔ڈی

شعبہ: عربی (جامعہ پنجاب، لاہور)

صفحات: ۷۲۶

مقالہ نگار نے مقالہ کو سات ابواب میں تقسیم کیا ہے، جن کی ترتیب کچھ یوں ہے۔

باب اول: مقدمہ

باب دوم: حدیث اور متعلقات حدیث

باب سوم: طبقات کتب حدیث

باب چہارم: رجوع الی الموطأ

باب پنجم: تطبیق بین الفقہ والحدیث

باب ششم: اعتدال بین التقلید والاجتہاد

باب ہفتم: مختصرات (تجزیہ ونتائج ومصادر)

☆ پہلے باب میں جسے مقدمہ کا عنوان دیا گیا ہے۔جس میں علم حدیث کا پاک وہند میں شاہ ولی اللہ تک کا سفر، شاہ ولی اللہ کا عہد،

تصنیفات، شاہ ولی اللہ کا دورِ علم حدیث، سلسلہ اسانید کا تذکرہ کیا ہے اور شاہ صاحب کا بحیثیت محدث ہونا تحریر ہے۔

☆ دوسرے باب میں علم حدیث کی فضیلت، علم حدیث کی اہمیت اور درجات حدیث کا معیار حدیث اور کتب حدیث پر تنقید کی گئی ہے۔

☆ تیسرے باب میں کتب احادیث کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ طبقہ اولیٰ میں تین، طبقہ ثانیہ میں چار، طبقہ ثالثہ میں چودہ اور طبقہ رابعہ میں دس کتب ہیں۔

☆ چوتھے باب میں مؤطا امام مالک کی اہمیت شاہ ولی اللہ صاحب کی نظر میں بیان کی گئی ہے۔

☆ پانچویں باب میں مصادر فقہ اسلامی، فقہ الحدیث کے مختلف ادوار اور مذاہب اربعہ کو تفصیل سے درج کیا گیا ہے اور مقالہ نگار کے مطابق مذاہب اربعہ اصل میں ایک ہیں۔ فقہ اور حدیث کے درمیان تطبیق کی گئی ہے۔

☆ چھٹے باب میں اجتہاد، اجتہاد کی اہمیت، فضیلت اور تقاضوں کو بیان کیا گیا ہے۔ چوتھی صدی ہجری سے پہلے اور چوتھی صدی ہجری کے بعد تقلید پر بحث کی ہے اور اجتہاد اور تقلید کے درمیان اعتدال کی راہ بیان کی ہے۔

☆ ساتویں باب میں شاہ صاحب کی علم حدیث کی خدمت، مذاہب اربعہ میں تطبیق کی کوشش کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

یہ مقالہ بڑی محنت سے تحریر کیا گیا ہے اور مقالہ نگار نے اپنے موضوع سے بھرپور انصاف کیا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہ مقالہ بعد میں ''شاہ ولی اللہ اور علم حدیث'' کے عنوان سے مقبول اکیڈمی (لاہور) سے کتابی شکل میں طبع بھی ہوا۔ لیکن مناسب ہوتا کہ اگر مقالہ نگار کتابی شکل میں لانے سے قبل اس پر نظر ثانی کر لیتے اور تیسرے باب کو حذف کر دیتے کہ اس میں اگرچہ بعض مفید معلومات آ گئی ہیں مگر مقالے کے عنوان سے اس کی کچھ زیادہ مناسبت نہیں۔ اس مقالے سے قبل ''خدمة الشاه ولی الله فی علم الحدیث'' کے عنوان سے سید تلمیذ حسین سندھ یونی ورسٹی جامشورو سے ۱۹۷۶ء میں ایم۔اے سطح کا مقالہ لکھ چکے تھے۔ اسی طرح عبداللہ سلمہ نصر ''امام المحدث شاه ولی الله الدهلوی و جهوده للحدیث النبوی'' کے عنوان سے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ۱۹۸۵ء میں ایم۔اے سطح کا تحقیقی مقالہ تحریر کر چکے تھے۔ بعض مقامات پر ان تینوں مقالوں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ تاہم یہ مقالہ ہر لحاظ سے سابقہ مقالوں سے عمدہ اور معیاری ہے۔ مقالے میں حوالہ جات Foot Notes کے ذریعے دیئے گئے ہیں۔ مقالہ کے آخر میں کتابیات دی گئی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ مقالہ کی ترتیب میں مقالہ نگار نے قریب ۲۵۰ کتب سے فیض حاصل کیا ہے۔

....

Topic:A critical evalutaion of Shah Wali Allah's Philosphy of education and its application in the modern age.
Researcher:Muhammad Afzal
Supervisor:Dr. Jamila Shaukat
Year:2000
Class:Ph.D

Dept:Islamic Studies (Punjab University,Lahore)
Pages:220

مقالہ نگار نے مقالے کو چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

☆ پہلے باب کا عنوان ہے''A Review of Shah Wali Allah,s works''۔اس باب میں شاہ صاحب کے حالات،خدمات اور افکار و نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆ دوسرے باب کا عنوان ہے'' Condition of Muslims of India During Shah Wali Allah's Time''۔اس باب میں شاہ صاحب کے دور کے حالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆ تیسرے باب کا عنوان ہے''Some Prominent Philosophies of Education''۔اس باب میں شاہ صاحب کے دور سے قبل کے بعض علمی فلاسفرز کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆ چوتھے باب کا عنوان ہے''Shah Wali Allah's Philosophy of Education''۔اس باب میں شاہ صاحب کے فلسفہ تعلیم کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆ پانچویں باب کا عنوان ہے'' Modern System of Education (Pakistan) and Its Relevance to Shah Wali Allah's Ideas''۔اس باب میں شاہ صاحب کے فلسفہ تعلیم کا پاکستانی نظام تعلیم کے ساتھ تعلق کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆ چھٹے باب کا عنوان ہے''Conclusion''۔اس باب میں پورے مقالے کا نتیجہ بحث بیان کیا گیا ہے۔

مقالہ انتہائی محنت سے لکھا گیا ہے اور مقالہ نگار نے موضوع کے ساتھ مکمل انصاف کیا ہے۔مصادر و مراجع بھی بنیادی ہیں البتہ اصل متن کی بجائے اکثر اس کا حوالہ دینے کا اسلوب اپنایا گیا ہے۔اسلوب آسان اور شائستہ ہے۔مقالہ نگار کے مطابق شاہ صاحب کے فلسفہ تعلیم میں دین و دنیا کی کوئی تقسیم نہیں۔نیز ان کے ہاں تعلیم کا ایسا جامع تصور ہے جس سے ہر دور میں استفادہ کیا جا سکتا ہے۔(۲۱) تاہم پاکستان کے نظام تعلیم کے ساتھ شاہ صاحب کے فلسفہ تعلیم کا تعلق تلاش کرنے کے حوالے سے مقالہ نگار نے بعض اغلاط بھی کی ہیں اور کئی جگہ زبردستی مماثلت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔اس مقالے سے قبل عذرا جبیں پنجاب یونیورسٹی ہی سے ۱۹۸۷ء میں ''حضرت شاہ ولی اللہ کا فلسفہ تعلیم'' کے عنوان سے ایم۔اے سطح کا مقالہ تحریر کر چکی تھیں۔کئی مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ نگار نے اس سابقہ مقالے سے بھی استفادہ کیا ہے۔

....

عنوان مقالہ: شاہ ولی اللہ کی نظر میں اسلام کے سماجی اور اجتماعی اصولوں پر تحقیقی جائزہ

مقالہ نگار: کلیم اللہ ساریو

نگران مقالہ: عبد الواحد ہالیپوتہ

سال تکمیل: ۱۹۸۸ء

درجہ: پی۔ایچ۔ڈی

شعبہ: تقابل ادیان وثقافت اسلامیہ (سندھ یونیورسٹی، جامشورو)

صفحات: ۲۹۷

مقالہ نگار نے مقالہ کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

باب اول: مختصر حالات زندگی۔محققین کی خدمات اور تعارف

باب دوم: تخلیق کائنات اور عقائد وفلسفہ شاہ ولی اللہؒ

باب سوم: انسانی معاشرہ کا ارتقاء اور شاہ ولی اللہ کے نظریات

باب چہارم: نظام تمدن اور اجتماعی زندگی شاہ ولی اللہ کی نظر میں

باب پنجم: شاہ ولی اللہ کے سیاسی معاشرتی اور معاشی افکار کا تجزیہ

☆ پہلے باب میں شاہ صاحب کی مختصر سوانح اور شاہ ولی اللہ کے فلسفہ پر تحقیق کرنے والے محققین کی خدمات کا تعارف کرایا ہے۔

☆ دوسرے باب میں فلسفہ وعقائد کے عنوان سے عقائد وفلسفہ کی اہمیت پر شاہ صاحب کے افکار کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

☆ تیسرے باب میں انسانی معاشرے کے ارتقائی مراحل اور شاہ صاحب کے نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆ چوتھے باب میں انسانی معاشرے اور سماجی مسائل پر تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

☆ پانچویں باب میں اصلاحِ معاشرہ اور شاہ صاحب کے نظریات وافکار کا جائزہ لیا گیا ہے۔

یہ مقالہ انتہائی محنت سے لکھا گیا ہے اور مقالہ نگار نے اپنے موضوع سے خوب انصاف کیا ہے۔طویل اور لایعنی ابحاث سے اجتناب کرتے ہوئے اختصار کا اسلوب اپنایا ہے۔بعض مقامات پر املاء کی اغلاط ہیں لیکن مجموعی لحاظ سے اغلاط کا تناسب بہت کم ہے۔اولین مآخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔مقالے کی ترتیب اور اسلوب بھی بہت عمدہ ہے۔اگر یہ مقالہ شائع ہوسکے تو ولی اللہی لٹریچر میں ایک عمدہ اضافہ ہوگا۔

عنوان مقالہ: تذکرہ خانوادہ ولی اللّٰہی

مقالہ نگار: ابوسلمان شاہجہان پوری

نگران مقالہ: سید سخی احمد ہاشمی

سال تکمیل: ندارد

درجہ: پی۔ایچ۔ڈی

شعبہ: تقابل ادیان وثقافت اسلامیہ (سندھ یونیورسٹی، جامشورو)

صفحات: ۷۲۹

مقالہ نگار نے مقالہ کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

☆ پہلے باب میں شاہ صاحب کے دور کی منظر کشی کی ہے شاہ صاحب کے خاندان، تعلیم، اساتذہ، علمی خدمات اور شاہ صاحب کے افکار اور شخصیت کا سرسید کی شخصیت سے موازنہ کیا ہے۔

☆ دوسرے باب میں شاہ صاحب کے شاگرد شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کا تذکرہ کیا ہے۔

☆ تیسرے باب میں اصحاب ثلاثہ کے شاگردوں کا تذکرہ کیا ہے۔ تیسرے باب کو دو فصول میں تقسیم کیا ہے پہلی فصل میں اصحاب ثلاثہ کے شاگردوں میں علماء دین اور مشائخ طریقت کا تذکرہ کیا ہے جن کی تعداد اٹھارہ تحریر کی ہے۔ دوسری فصل میں شعراء و اطباء کا تذکرہ کیا ہے جن کی تعداد آٹھ بیان کی ہے۔

☆ چوتھے باب میں شاہ محمد اسحاق دہلوی کے تلامذہ کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کی تعداد گیارہ تحریر کی گئی ہے۔

☆ پانچویں باب میں خانوادہ ولی اللّٰہی کے دیگر تلامذہ کا ذکر کیا گیا ہے اس باب کو چار فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی فصل میں علماء دین چار، دوسری فصل میں شعراء سات، تیسری فصل میں اطباء چار اور چوتھی فصل میں چند دیگر حضرات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

یہ مقالہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری کا تحقیقی کارنامہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ مقالہ انتہائی محنت سے تحریر کیا ہے اور موضوع سے مکمل انصاف کیا ہے۔ حجم اور ضخامت کے باوجود بعض مقامات پر تشنگی محسوس ہوتی ہے لیکن موضوع کی نوعیت کے پیش نظر اسے برداشت کیا جاسکتا ہے۔ تذکرہ خانوادہ ولی اللّٰہی کی بنیاد ''تذکرہ اہل دہلی'' ہے۔ مقالہ نگار کے مطابق تذکرہ اہل دہلی میں متعدد شخصیات کو شامل نہیں کیا گیا تھا اور متعدد شخصیات ایسی تھیں جن کا تعلق دہلی سے نہیں تھا لہٰذا ان شخصیات کو شامل کر کے اس کا نام تذکرہ خانوادہ ولی اللّٰہی رکھا گیا۔ مناسب قطع و برید اور ترتیب جدید کے بعد اگر اسے شائع کیا جائے تو بہت بڑی علمی خدمت ہوگی۔

....

عنوان مقالہ: الفکر الاجتماعی عند الشاہ ولی اللہ الدھلوی

مقالہ نگار: محمد مصطفیٰ الریماوی

نگران مقالہ: عبدالواحد۔ غلام مصطفیٰ قاسمی

سال تکمیل: ندارد

درجہ: پی۔ایچ۔ڈی

شعبہ: عربی (سندھ یونیورسٹی، جامشورو)

صفحات: ۳۰۸

مقالہ نگار نے مقالہ کو دو ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ باب اول کو چھ فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جبکہ باب دوم کو بھی چھ فصول میں تقسیم کیا ہے۔ مقالہ کے آخر میں خلاصہ بحث دیا گیا ہے جو کہ آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ مقالہ نگار نے یہ تحقیقی مقالہ انتہائی محنت سے تحریر کیا ہے۔ پہلے باب میں شاہ صاحب کے حالات اور افکار کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس باب میں ارکان اسلام کے حوالے سے شاہ صاحب کی اجتماعی فکر کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ جبکہ دوسرے باب میں اسلام کے فلسفہ جہاد اور سیاسی نظام کے حوالے سے شاہ صاحب

کی اجتماعی فکر کا جائزہ لیا گیا ہے۔مقالہ نگار نے ثابت کیا ہے کہ شاہ صاحب واحد مفکر ہیں جنہوں نے اسلام کی اجتماعی فکر کا اتنی گہرائی سے جائزہ لیا ہے۔مقالہ کا اسلوب بہت عمدہ ہے اور مقالہ نگار نے شاہ صاحب سے متعلق عربی، فارسی اور اردو کتب سے استفادہ کیا ہے۔لیکن ایک سقم یہ ہے کہ اکثر اقتباسات کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔عرب دنیا میں شاہ صاحب کا وہ تعارف نہیں جو ہونا چاہیے۔یہ مقالہ اگر طبع ہو جائے تو شاہ صاحب کے حوالے سے عرب دنیا میں بھرپور تعارف کا سبب بن سکتا ہے۔

....

عنوان مقالہ:تخریج الاحادیث الواردة والآثار المذكورة فى كتاب حجة الله البالغه لشاه ولى الله المحدث الدهلوى

مقالہ نگار:خلیل احمد کورائی

نگران مقالہ:عبدالرزاق میمن

سال تکمیل: ندارد

درجہ: پی۔ایچ۔ڈی

شعبہ: تقابل ادیان وثقافت اسلامیہ (سندھ یونیورسٹی، جامشورو)

صفحات:۶۹۵

مقالہ نگار نے مقالہ کے شروع میں ''تصدیر'' کے عنوان سے شاہ ولی اللہ کی تالیفات کا تعارف پھر ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کا تعارف اس کا سبب تالیف بیان کیا ہے ساتھ ہی اس موضوع کو اختیار کرنے کی وجہ بھی بیان کی ہے اور تخریج، اس کی اہمیت اور طریقہ بیان کیا ہے۔مقالہ کے آغاز میں چودہ صفحات پر مشتمل مقدمہ تحریر کیا ہے۔تین صفحات پر مشتمل ''خاتمة البحث'' دیا گیا ہے۔مقالہ کے آخر میں ۱۳۲ کتب مصادر ومراجع میں تحریر کی گئی ہیں۔مقالہ نگار نے مقالے کو دو اجزاء میں تقسیم کیا ہے:

الجزالاول کے تحت ۶۷ موضوعات پر بحث کی گئی ہے اور یہ ۲۱۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

الجزالثانی کے تحت ۵۵ موضوعات پر بحث کی گئی ہے اور یہ ۴۸۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

عرب جامعات میں تخریج وتعلیق کی روایت بہت پرانی ہے مگر ہمارے ہاں یہ روایت زیادہ قدیم نہیں۔ضرورت ہے کہ شاہ صاحب کی دیگر کتب کی بھی تخریج کی جائے بلکہ ان کو طبع کرنے کی بھی سعی کرنی چاہیے۔اس مقالے کے بعد پشاور یونیورسٹی سے بھی ایم۔فل سطح کا مقالہ تحریر کیا گیا تھا جس میں ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کے منتخب حصے کی تخریج کی گئی تھی۔غالب گمان یہ ہے کہ ان صاحب کی نظر سے یہ مقالہ نہیں گزرا تھا ورنہ تکرار نہ ہوتی۔

....

عنوان: شاہ ولی اللہ کے معاشی نظریات کا تحقیقی مطالعہ (پاکستان کے معاشی مسائل کے حوالے سے)

مقالہ نگار: محمد عبداللہ

نگران مقالہ: حسام الدین منصوری

سال تکمیل: ۲۰۰۵ء

درجہ: پی۔ایچ۔ڈی

شعبہ: علوم اسلامی (جامعہ کراچی)

صفحات: ۶۵۷

یہ مقالہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔

☆ پہلا باب ۸۷ صفحات پر مشتمل ہے اور اسے پانچ ذیلی فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس باب میں شاہ صاحب کے حالات اور افکار پر مبسوط تجزیہ کیا گیا ہے۔

☆ دوسرا باب ۵۴ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب کو چار ذیلی فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس باب میں شاہ صاحب کے فلسفہ ارتفاقات پر بڑی جامع بحث کی گئی ہے۔

☆ تیسرا باب ۶۶ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب کو تین ذیلی فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس باب میں شاہ صاحب کے دور کے معاشی حالات اور شاہ صاحب کے فلسفہ معیشت کا عمومی تعارف کروایا گیا ہے۔

☆ چوتھا باب ۱۵۷ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب کو چھ ذیلی فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس باب میں معیشت کے اسلامی احکامات، دیگر معاشی نظریات، کاروبار کی مختلف اقسام اور تقسیم دولت کے حوالے سے شاہ صاحب کے افکار و نظریات پر بحث کی گئی ہے۔

☆ پانچواں باب ۱۶۱ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب کو سات ذیلی فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس باب میں تعاون باہمی، ملکیت، پاکستان کے قدرتی وسائل، زرعی و صنعتی مسائل، پیشوں کی تقسیم اور معاشی انحطاط سے بچاؤ کی تدبیر کے حوالے سے شاہ صاحب کے افکار و نظریات پر بحث کی گئی ہے۔

☆ چھٹا باب ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے اور یہ باب چار ذیلی فصول پر مشتمل ہے۔اس باب میں مادیت اور روحانیت کے باہمی ربط، اخلاق اور معاش کا تعلق، خوشحال معاشرے کے بنیادی اصول اور معاشی امراض پر بحث کی گئی ہے۔

☆ ساتواں باب ۷۵ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب کو پانچ ذیلی فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس باب میں گذشتہ ابواب کی روشنی میں پاکستان کے معاشی مسائل کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

مقالہ نگار نے اپنی تحقیق کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ شاہ ولی اللہ وہ مسلم سکالر ہیں جن کے ہاں معاشیات کا ایک قابل عمل پروگرام ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کے معاشی پروگرام کو پہلے قومی سطح پر نافذ کیا جائے بعد ازاں عالمی سطح پر اس کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔(۲۲) مقالہ بڑی محنت سے لکھا گیا ہے اور مقالہ نگار نے بنیادی کتب سے استفادہ کیا ہے۔لیکن بعض مقامات پر مقالہ نگار اپنے موضوع سے بہت دور نکل جاتے ہیں اور یہی چیز مقالے کے غیر ضروری حجم کا سبب بھی بنی ہے۔اسی طرح

مقالے میں املاء کی اغلاط بھی کوئی اچھا تاثر پیدا نہیں کرتیں۔

....

عنوان مقالہ: شاہ ولی اللہؒ کا نظریۂ اخلاق۔ تحقیقی مطالعہ

مقالہ نگار: آسیہ کریم

نگران مقالہ: پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت

سال تکمیل: ۲۰۰۷ء

درجہ: پی۔ایچ۔ڈی

شعبہ: علوم اسلامیہ (جامعہ پنجاب، لاہور)

صفحات: ۵۱۸

مقالہ نگار نے مقالہ کو بارہ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

☆ پہلے باب میں شاہ صاحب کی شخصیت اور علمی و دینی حوالے سے ان کی خدمات کا احاطہ کیا ہے۔ نیز حرمین شریفین کا قیام اور اس دوران فقہی مسالک اور صوفیانہ سلاسل سے روابط کا تذکرہ کیا ہے۔

☆ دوسرے باب میں شاہ صاحب کے نظریۂ اخلاق کے مآخذ کی نشاندہی کی گئی ہے۔

☆ تیسرے باب میں حسن اخلاق کی غرض و غایت کو بیان کیا گیا ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک ''سعادت'' انسانی زندگی کا نصب العین ہے۔

☆ چوتھے باب میں نیکی اور بدی کی حقیقت کو بیان کیا ہے۔

☆ پانچواں باب نیکی اور بدی کے محرکات سے متعلق ہے۔

☆ چھٹے باب میں تزکیہ و تربیت اخلاق کے ذرائع کو بیان کیا گیا ہے۔

☆ ساتویں باب میں بنیادی اخلاقی اوصاف کو بیان کرتے ہوئے مقالہ نگار کے نزدیک یہ اوصاف امہات الفضائل کہے جا سکتے ہیں۔

☆ آٹھویں باب میں اخلاقیات اجتماعیہ کو بیان کیا ہے اور اس کی اساس عدل اجتماعی کو قرار دیا ہے۔

☆ نویں باب میں خیر و شر کے باب میں قضا و قدر کی بحث کی گئی ہے۔

☆ دسویں باب میں ''جزا و سزا کی علت و حکمت'' کے عنوان سے شاہ صاحب کے افکار و خیالات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

☆ گیارہویں باب میں اخلاقیات کے حوالے سے شاہ صاحب کے پیش کردہ افکار و نظریات کے ناقدانہ جائزے کے عنوان سے شاہ ولی کے فکر مصادر کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆ بارہویں باب میں شاہ صاحب کے نظریۂ اخلاق کے علمی و فکری اثرات کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار کے مطابق

شاہ ولی اللہ کے افکار نے ان کے اپنے دور کو گہرے طور پر متاثر کیا اور اس کے ساتھ ساتھ آنے والی صدیوں پر بھی اپنا اثر ڈالا۔

مقالہ نگار نے لکھا کہ شاہ ولی اللہ صدیوں پر محیط ملت اسلامیہ کی فکری تاریخ کے وارث ہیں۔ اس پر مستزاد ان کی اجتہادی فکر، اصلاحی ذوق، علمی گہرائی اور موضوعات کی وسعت ایک محقق کے اندر یہ ولولہ اور شوق پیدا کر دیتی ہے کہ وہ یہ جستجو کرے کہ شاہ صاحب اپنے سے ماقبل کن شخصیات کے افکار وآراء سے متاثر ہوئے اور بعد کی صدیوں میں انہوں نے خود کن شخصیات اور تحقیقات پر اپنے اثرات مرتب کیے۔ (۲۳) اس مقالے سے قبل آسیہ اسد خاکوانی ۱۹۹۵ء۔۱۹۹۷ء میں بہاءالدین زکریا یونی ورسٹی (ملتان) سے ''شاہ ولی اللہ کا نظریہ اخلاق'' کے عنوان سے ایم۔اے سطح کا مقالہ تحریر کر چکی تھیں۔ اب معلوم نہیں کہ دونوں مقالہ نگار درحقیقت ایک ہی ہیں یا الگ الگ۔ بہرحال یہ ایک عمدہ مقالہ ہے اور مقالہ نگار نے خوب محنت کی ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ مقالہ طبع کیا جائے۔ تاہم مقالہ نگار اگر اسے طبع کرنے سے قبل اس پر نظر ثانی کر لیں تو اچھا ہوگا۔ مقالہ کے آخر میں خلاصہ بحث دیا گیا ہے جو نو صفحات پر مشتمل ہے۔ اشاریہ ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں ۱۲ صفحات قرآنی آیات اور آٹھ صفحات پر احادیث مبارکہ دی ہیں۔ مصادر ومراجع میں کتب کی تعداد ۲۱۳ ہے۔ انگریزی کتب کی تعداد ۲۰ ہے۔ حوالہ جات کے لیے Foot Note کا اسلوب اپنایا گیا ہے۔ اکثر مقامات پر آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔

....

عنوان مقالہ: شیخ احمد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہؒ بحیثیت مجدد۔ تقابلی جائزہ

مقالہ نگار: طاہر خان

نگران مقالہ: ضیاء الحق

سال تکمیل: ۲۰۰۷ء

درجہ: پی۔ایچ۔ڈی

شعبہ: اسلامیات (نمل یونیورسٹی، اسلام آباد)

صفحات: ۳۳۵

مقالہ نگار نے مقالے کو چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

☆ پہلا باب ۴۵ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب میں مجددیت کے مفہوم اور تاریخ کو بیان کیا گیا ہے۔

☆ دوسرا باب ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب میں شیخ احمد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کا تعارف بیان کیا گیا ہے۔

☆ تیسرا باب ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب میں حضرت شیخ امام سرہندیؒ کے زمانے اور حالات اور شاہ ولی اللہؒ کے زحالات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

☆ چوتھا باب ۹۴ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب میں شیخ احمد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے اصلاحی اور تجدیدی کارناموں کا ذکر کیا گیا ہے۔

☆ پانچواں باب ۲۹ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب میں شیخ احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہؒ کے کام کو بڑھانے والے تلامذہ وخلفاء کا

ذکر کیا گیا ہے۔

☆چھٹا باب ۲۸صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب میں میں شیخ احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ کا بحیثیت مجدد تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مقالہ نگار کے مطابق اللہ تعالیٰ نے شیخ احمد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہ کو کمال کی دینی بصیرت اور اصلاحی میلان عطا فرمایا، دونوں شخصیات کے حالات میں بڑی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ دونوں حضرات کا سماجی پس منظر، اجتماعی جدوجہد پر اتفاق، تربیتی طریق کار، ہندو تہذیب پر نظر میں ان میں بڑی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ سیاسی ماحول، فن شاعری، داعیانہ جوش، تعلیمی حالت، مکتوبات کا تقابل میں۔ شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات کی تعداد ۵۳۶ ہے جو کہ زیادہ تر تصوف پر مشتمل ہیں جبکہ شاہ صاحب کے مکتوبات کی تعداد ۳۵۸ ہے جن میں اکثر سیاسی نوعیت کے ہیں لیکن تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ، تصوف وسلوک اور علم اسرار الشریعۃ کے متعلق ہیں۔ دونوں حضرات کے تبلیغ دین کے طریقے، اولاد میں مماثلت تصانیف، (شیخ احمد سرہندی کی تصانیف شاہ ولی اللہ کے مقابلہ میں کم ہیں) شیخ احمد سرہندی کی تصانیف میں مکتوبات کو خاصی شہرت حاصل ہے جو کہ تین جلدوں پر مشتمل ہیں جبکہ شاہ صاحب کی تصانیف کی تعداد تقریباً ۵۳ ہے۔ موسیقی اور غنا کی خدمت، سیاسی بصیرت، مسلک رویت باری تعالیٰ، اصلاح عقائد و دعوت الی القرآن، نظریہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں شیخ احمد سرہندیؒ نظریہ وحدۃ الشہود کے بانی ہیں جبکہ شاہ صاحب نے دونوں نظریات میں تطبیق کی کوشش کی ہے۔ نظریہ اجتہاد وتقلید، شریعت وطریقت، اہل تصوف کی اصلاح، نظریہ قومیت، نظریۂ حکومت، ردّ روافض اور احترام سادات تمام نظریات میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ (۲۴) مقالہ مجموعی لحاظ سے عمدہ ہے اور مقالہ نگار نے بڑی محنت سے کام لیا ہے۔ بے جا طوالت سے گریز کیا گیا ہے۔ املاء کی اغلاط بھی بہت کم ہیں۔ لیکن اصل مآخذ کی بجائے کتب کے تراجم سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح اصل عبارات مقالے کی بجائے حوالہ جات وحواشی میں ذکر کی گئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ نگار کی عربی اور فارسی کی استعداد کمزور تھی اسی لیے تو تراجم پر انحصار کیا ہے۔

یہ مقالات تو وہ تھے جو شاہ ولی اللہ پر اب تک لکھے جا چکے ہیں اور ان پر مقالہ نگاروں کو سند تفویض ہو چکی ہے۔ تاہم شاہ ولی اللہ پر مختلف جامعات میں اب بھی پی۔ ایچ۔ ڈی سطح کے تحقیقی مقالات لکھے جا رہے ہیں۔ جن میں سے درج ذیل کی معلومات مل سکی ہے۔

....

عنوان مقالہ: خانوادۂ شاہ ولی اللہ کی گراں قدر خدمات اور ان کے ہمہ گیر اثرات

مقالہ نگار: حکمت اللہ

نگران مقالہ: ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر

درجہ: پی۔ ایچ۔ ڈی

شعبہ: اسلامی تاریخ (جامعہ کراچی)

....

عنوان مقالہ: پاکستان میں اسلامی اقتصادی نظام کی تعبیر (شاہ ولی اللہ، علامہ اقبال اور دیگر معاشی مفکرین کا نقطہ نظر)

مقالہ نگار: دلشاد احمد خان

نگران مقالہ: محمد ادریس لودھی

درجہ: پی۔ایچ۔ڈی

شعبہ: علوم اسلامیہ (بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان)

....

عنوان مقالہ: سیرت سیدنا عمر فاروق کی صوفیانہ تعبیر: حضرت شاہ ولی اللہ کی روشنی میں تحقیقی مطالعہ

مقالہ نگار: طاہر محمود

نگران مقالہ: سعید الرحمٰن

درجہ: پی۔ایچ۔ڈی

شعبہ: علوم اسلامیہ (بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان)

....

عنوان مقالہ: شاہ ولی اللہ اور ایڈم سمتھ کے معاشی نظریات کا تقابلی جائزہ

مقالہ نگار: کرن مشکبار فاطمہ

نگران مقالہ: عبدالقدوس صہیب

درجہ: پی۔ایچ۔ڈی

شعبہ: علوم اسلامیہ (بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان)

....

نتیجہ بحث

شاہ ولی اللہ دہلوی گزشتہ تین صدیوں سے ایک غیر متنازعہ شخصیت چلی آ رہی ہیں ان کی بلند پایہ علمی شخصیت کی بدولت ہر مسلک ان کو اپنا پیشوا اور امام مانتا ہے۔ کسی بھی مسلک سے تعلق رکھنے والے محدث کی سند حدیث شاہ صاحب کے نام کے بغیر ادھوری تصور کی جاتی ہے۔ شاہ صاحب کی تعلیمات اور افکار و نظریات میں اعتدال کی روش بہت نمایاں ہے۔ شاہ صاحب نے ہمیشہ اسی نہج پر اپنی تحریرات کو منظر عام پر لا کر لوگوں کے دلوں میں رواداری، صبر و تحمل اور برداشت کے مادے کو پروان چڑھانے کی بھرپور کوشش کی ہے، جس کی مثالیں اہل الرائے اور اہل الحدیث حضرات کے مسائل میں تطبیق، حنفی و شافعی مسلک میں اعتدال کی راہ اور اہل تصوف کی مروجہ بے راہ رویوں کو دور کرنے کے لئے شریعت اور طریقت کے درمیان تلازم کی شکل میں نظر آتی ہیں۔ موجودہ دور

میں فرقہ پرستی کا ناسور اپنی جڑیں بہت مضبوط کر چکا ہے اوراس کی جڑیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں ایک دوسرے کے مسلک پر طعن و تشنیع کا دور دورا ہے، ایک دوسرے پر کفر وشرک کے دعوؤں کی بھر مار ہے۔ایسے حالات میں شاہ صاحب کی تعلیمات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں اور معاشرے کے سیاسی، سماجی، معاشی، تعلیمی، اقتصادی مسائل کے حل اور اتحادِ امت کے لئے شاہ صاحب کے افکار، نظریات اور تعلیمات کو عملی شکل میں معاشرے میں نافذ کرنے سعی وقت کی اہم ضرورت ہے جس سے معاشرے میں اتحاد، یگانگت، اخوت، رحم دلی اور ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا ہوتا کہ معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن سکے۔

پاکستان کی جامعات میں شاہ صاحبؒ پر لکھے گئے پی۔ایچ۔ڈی سطح کے تحقیقی مقالات کے مطالعے سے یہ بات مشاہدہ میں آئی کہ محققین نے مختلف عنوانات کے ذیل میں شاہ صاحب کی زندگی کے ہر ہر پہلو پر قلم آزمائی کی ہے اور شاہ صاحب کے نظریات وخیالات کو منظر عام پر لانے اور اُس سے استفادہ کے مواقع فراہم کیے ہیں۔تاہم دوران مطالعہ یہ بات بھی سامنے آئی کہ ملک بھر کی جامعات کا آپس میں ربط کا فقدان ہے جس کی وجہ سے اگر کسی عنوان سے ایک یونیورسٹی میں مقالہ ہو رہا ہے تو دوسری یونیورسٹی بھی اسی عنوان پر تحقیق کروا رہی ہے۔بعض مقالات ایک دوسرے کا جزوی چربہ نظر آتے ہیں۔تاہم یہ صورت حال زیادہ تر ایم۔اے سطح کے مقالات میں نظر آتی ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ جامعات مقالے کے عنوان کے حوالے سے ایک دوسرے سے معلومات کا تبادلہ کریں تاکہ ایک ہی عنوان بار بار دہرایا نہ جائے۔اسی طرح محققین پر بھی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے مقالے کا موضوع سوچ سمجھ کر منتخب کریں کیونکہ اگر وہ اپنے موضوع سے انصاف نہ کر سکیں گے تو شاید تکرار کے پیش نظر اس عنوان پر کبھی کوئی اور تحقیقی مقالہ نہ لکھا جائے اور یوں وہ موضوع ہمیشہ کے لیے تشنہ رہ جائے گا۔نیز اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ اب شاہ صاحب کی مذہبی، سیاسی، معاشی اور سماجی فکر پر عمومیت کی بجائے تحدیدیت کے زاویہ نگاہ سے غور وفکر کیا جائے۔

مصادر ومراجع

(۱) الازہری، عبدالصمد صارم، سوانح شاہ ولی اللہ، ایم ثناءاللہ خان اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص ۳

(۲) رحمٰن علی، مولوی، تذکرہ علمائے ہند، پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۵۴۴

(۳) ان کا نکاح مولوی نوراللہ بڈھانوی کی دختر سے ہوا تھا لیکن کوئی اولاد نہیں ہوئی۔۱۷۹۴ء میں انتقال ہوا اور بڈھانہ (ضلع مظفر نگر) دفن ہیں۔

(۴) ان کی شادی شیخ محمد عاشق پھلتی کے صاحبزادے محمد فائق سے ہوئی تھی۔ملاحظہ ہو تذکرۃ الرشید (حاشیہ)، لاہور، مکتبہ مدنیہ، ۱۴۰۶ھ، ص ۳۰

(۵) قاسم محمود، سید، اسلام کی احیائی تحریکیں اور عالم اسلام، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۱۷

(۶) پھلتی، محمد عاشق، القول الجلی، کتب خانہ انوریہ، لکھنؤ، ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۱

(۷) شاہ صاحبؒ عام طور پر اپنے مکاشفات میں تاریخ نہیں لکھتے۔لیکن اس مکاشفہ میں انہوں نے خلاف معمول تاریخ درج کی ہے، جس کے مطابق یہ مکاشفہ ۲۱ ذی قعدہ، ۱۱۴۴ھ میں پیش آیا۔ملاحظہ ہو فیوض الحرمین، ص ۸۹۔۹۰، ادارہ اسلامیات، کراچی، مولانا مناظر احسن گیلانی نے "تذکرہ شاہ ولی اللہ" میں اس مکاشفہ کی اہمیت اور برعظیم کے آئندہ حالات میں اس کے کردار پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

(۸) فریدی، نسیم احمد، مولانا، نادر مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلوی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۵۹۔۶۶

(۹) محمد مظہر بقا، ڈاکٹر، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، بقا پبلیکیشنز، ۱۹۸۶ء، کراچی، ص ۱۴۳

(۱۰) دہلوی، رحیم بخش، حیات ولی، المکتبۃ السّلفیہ، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۵۸۰

(۱۱) شکاگو یونی ورسٹی (امریکہ) میں شاہ ولی اللہ چئیر قائم ہے۔ اسی طرح علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی (ہندوستان) میں بھی شاہ ولی اللہ چئیر قائم ہے۔

(۱۲) تفصیل کے لیے دیکھئے: محمد مختار عالم حق، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصانیف کی مجمل کتابیات، ارمغان رفیع الدین ہاشمی، مرتب: ڈاکٹر خالد ندیم، الفتح پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۳ء، ص ۱۵۷۔۱۹۰

(۱۳) تفصیل کے لیے دیکھئے: محمد ذوالقرنین اختر، شاہ ولی اللہ: رسائل وجرائد میں چھپنے والے مقالات، سہ ماہی فکر ونظر (اسلام آباد)، ج ۴۲، شمارہ ۱، ص ۸۹۔۱۱۸

(۱۴) تفصیل کے لیے دیکھئے: سفیر اختر، شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصنیفات کے خطی نسخے، سہ ماہی فکر ونظر (اسلام آباد)، ج ۳۸، شمارہ ۴، ص ۹۷۔۱۰۲

(۱۵) محمد مظہر بقا، ڈاکٹر، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص ۲۰

(۱۶) مرجع سابق، ص ۲۰۴۔۲۱۴

(17) Ghazi,Mahmood Ahmad: Islamic Renaissance in South Asia: The Role of Shaha Wali Allah and his Successors,Islamic Research Institute,Islamabad,2002,P:234

(۱۸) غلام مرتضی ملک، شاہ ولی اللہ کا فلسفہ مابعد الطبیعات، لاہور، زیب تعلیمی ٹرسٹ، لاہور، ص ۱۷۹

(۱۹) محمد دین، شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے اقتصادی نظریات، (مقالہ پی۔ایچ۔ڈی) پشاور یونی ورسٹی، ۱۹۸۶ء، پشاور، ص ۲۱

(۲۰) صاحبزادہ نجم الدین، شاہ ولی اللہ کا نظریہ اجتہاد وتقلید، (مقالہ پی۔ایچ۔ڈی) پنجاب یونی ورسٹی، ۱۹۸۷ء لاہور، ص ۴۔۵

(21) Muhammad Afzal,A critical evalutaion of Shah Wali Allah's Philosphy of education and its application in the modern age,(Thesis P.hD),Punjab University,Lahore,2000,P78

(۲۲) محمد عبداللہ، شاہ ولی اللہ کے معاشی نظریات کا تحقیقی مطالعہ، (مقالہ پی۔ایچ۔ڈی)، جامعہ کراچی، ۲۰۰۵ء، کراچی، ص ۶۳۸

(۲۳) آسیہ کریم، شاہ ولی اللہ کا نظریہ اخلاق، (مقالہ پی۔ایچ۔ڈی)، پنجاب یونی ورسٹی، ۲۰۰۷ء، لاہور، ص ۷

(۲۴) طاہر خان، شیخ احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ بحیثیت مجدد: تقابلی جائزہ، (مقالہ پی۔ایچ۔ڈی)، نمل یونی ورسٹی، ۲۰۰۷ء، اسلام آباد، ص ۲۳۲۔۲۴۹

دراساتِ قرآنی

تفاسیر وتراجم قرآن پر

ڈاکٹر شکیل اوج کے مقالات کا مجموعہ

مرتبہ

ڈاکٹر شاکر حسین خان

مجلس التفسیر، کراچی

Recognized By HEC

Bi-Annual

Al-Tafseer Karachi

Issue No. 26 July to December - 2016

FOUNDER
Prof. Dr. Hafiz. Muhammad Shakil Auj Shaheed

CHIEF EDITOR
Dr. Muhammad Hassan Auj

EDITOR
Mufti Muhammad Azam Saeedi

National Advisory Committee:

- Dr. Muhammad Khalid Masood
(Judge, ShariahAppellate Bench, Supreme Court of Pakistan)
- Justice S.A. Rabbani
(Ex-Judge, Federal Sharia court, Islamabad)
- Prof. Dr . Hafiz Ahsanul Haq
(Ex.Chairman, Department of Arabic, University of Karachi)
- Prof. Dr. Humayun Abbas Shams
(Dean,Faculty of Islamic and Oriental Learning ,G.C University Faisalabad)
- Dr. Hafiz Muhammad Sohail Shafiq
(Assistant Professor, Department of Islamic History, University of Karachi)
- Dr. Hafiz Muhammad Jameel Bandhani
(Director, Majlis e Ilmi Library, Karachi)
- Dr. Shakir Hussain Khan
(Department of Islamic Learning, University of Karachi)

International Advisory Committee:

- Dr. Syed Salman Nadvi
(Dean, Faculty of Islamic Studies, Durban University, South Africa)
- Dr. Khalid Mahmood Shaikh
(Iqra International Education Foundation, Chicago America)
- Dr. Yaseen Mazhar Siddiqui
(Director, Shah Waliullah Research Institute, India)
- Muhammad Umairul SiddiqueNadvi
(DarulMusanefeen, Shibli Academy, Azam Garh, India)
- Dr. Khalil Toqar
(Chairman, Department of Urdu, Istanbul University, Turkey)
- Dr. Abu Sufyan Islahi
(Department of Arabic, Ali Garh Mulsim University, India)

Publisher: Dr. Muhammad Hassan Auj, Majlis Al-Tafseer, B-3, Staff Town, University Campus, University of Karachi, Karachi.

ISSN-1816-5389

Contact
P.O. Box 8413
University of Karachi, Karachi-75270
E-mail: drhassanauj@hotmail.com
msshafiq@uok.edu.pk

For Subscription and Donation
A/C No. 1025-7(NBP)
Karachi University Branch, Karachi

Price Rs. 300

Majlis-e-Tafseer is working under the Tehqeeq-o-Tafseer
Welfare Association, B-3, Staff Town
University of Karachi.
Registration No. PCSW (S) 1350 of 2013

Website: www.al-tafseer.org

Major Outcomes of Women's Unveiling: A Comparative Study of United States and Saudi Arabian Societies

Dr.S.Aftab Alam
Assistant Professor
Fatima Jinnah Women University,Rawalpindi

Abstract

It is probed by comparison of US and Saudi Arabian (SA) societies through UN announced data that wherever, in any society, social norms and customs allow its inhabitants to show off their semi-naked/naked bodies, in the name of attraction or beauty, extend free mixing of both sexes, and along with it if there are no defined implemented rules by its governing bodies and institutions regarding full body covering clothes, the appetite of lust urges and gets out of control.
Ultimately, greed for sexual relations result in sexual harassment, sexual assaults, rape, physical weaknesses. Consequently, all of these create mental disorder, sheer psychological & physical diseases, child upbringing without family protection, wed locks, death of family strength, domestic violence, child neglection, increased anxiety and use of cosmetics.

Key Terms: Unveiling-Outcomes, Comparison between US and SA societies.

Literature Review

History of humanity testifies that Iranians, Judaists and Hindu had veil practices in their societies before Islam. Their laws of veil were very severing. On the other hand, there was no veil practice in Arabs before Islam. Veil practice began in Arabs due to Islam. Especially in East, Veil is known as a feature of female costume from antiquity, where it

was worn primarily to conceal their features. In modern times, it is worn to enhance the face in non-Islamic communities.

Most Saudi women use a headscarf along with the niqaab or another simple veil to cover all or most of the face when in public, as do most foreign Muslim women (i.e., those from other Arab states, South Asia, Indonesia, or European converts to Islam). Most non-Muslim women use no headscarf or no head covering at all as a symbol of female costume.

As such, a ban on Islamic clothing is considered presumptively invalid by U.S. socio-political commentators such as Mona Charen (2010) of National Review. In his prominent June 2009 speech to the Muslim World in Cairo, President Barack Obama called on the West "to avoid dictating what clothes a Muslim women should wear", and he elaborated that such rules involve "hostility" towards Muslims in "the pretense of liberalism".[1]

Veil has a vast meaning, socially, religiously and historically, covering of body from head to toe. Veiling term has been used in almost all languages of the world. But, a huge alarming wave of non-veiling has been observed all over the world. Here are some questions, which need to be explored in this article:

- Are communities facing any negative outcomes due to non-veiling social system?
- What are the consequences of women unveiling?
- Is rape the basic cause of non-veiling?
- Is flood of illegitimate births also an ending outcome of unveiling women?
- Is huge usage of cosmetics produced by non-veiling atmosphere?
- Does non-veiling push a society towards domestic violence?
- Does unveiling result in family breakage conditions among those communities?

Nature filled man and women with an endless power of attraction for each other. Attraction increases when its causes are observed. When we observe an innocent, chaste person talking kindly, behaving gently, equipped with beautiful and graceful dresses, we fell head over heels. Furthermore, when we observe someone attired in a short dress, a wave of lust possesses strong hold.

In criminal law, Albert & Bergess (2009) defined that "Rape is an assault by a person involving sexual intercourse with another person

without that person's consent" [2]. Barlow David H. (2001) explained that rape victims indulge themselves in these severe diseases;

- "Depersonalization or dissociation
- Difficulty remembering important parts of the assault
- Reliving the assault through repeated thoughts, memories, or nightmares
- Avoidance of things, places, thoughts, and/or feelings
- Avoidance of social life or place of rape" [3]

The rape statistics presented by different departments of United States:
According to Johnson & Sacco, (1995) United States Department of Justice Document Criminal Victimization, "there were overall 191,670 victims of rape or sexual assault reported in 2005". [4]
According to The daily Washington Post, (2007) "From 2000-2005, 59% of rapes was not reported to law enforcement." [5] Survey depicted that one factor relating to this is misconception that strangers committed most rapes.
Jeffrey L., (2006) Director, United States Department of Justice, compiles statistics on crime by race, but only between and among people categorized as black or white. "There were 194,270 white and 17,920 black victims of rape or sexual assault reported in 2006." [6]
There is an alarming situation about rape causalities in the modern and civilized society of United States. The statistics affirm that generally, white women are being victim in a large number, which indicates that white women are more attractive and without covering their bodies in veil, there is more lustful atmosphere for sexual advancements.
The rape statistics presented by the United Nations Organization:

United Nations Office on Drugs and Crime, (2000) presented a detailed comparative data regarding rape ration among different countries of the world, among them, the two under discussion are as under; [7]

Rankin World	Countries	Ratio of Rape Cases Per 1,000 People	
# 9	United States:	0.301318	per one thousand people
# 65	Saudi Arabia:	0.00329321	per one thousand people

According to these statistics, United States is at No.9, where people are not observing veil system or any specific constitution for mixing up sexes and dress code. Saudi Arabia is at No.65 where almost all women observe veil system in public and it has constitutional articles for mixing up sexes and dress code. This data shows that veil-observing people are comparatively far from the rape disaster.

Now, is flood of illegitimate births also an ending outcome of unveiling women? In those countries, which have not adopted the veil system, encouraged revealing clothes and mixing of genders, illegitimate births are common. In those societies, women choose their bed partners daily. One partner enjoys sexually for one date or one week or maximum of a year. In this situation, how can it be decided that the baby is the result of such a night. On the other hand, who takes responsibility of the child's upbringing because he was just the flavor for a night and the very next night he is the guest of another woman. Therefore, illegitimate births and the after effects of illegitimate births are frantically increasing and becoming uncontrollable.

In April 2009, the National Center for Health Statistics announced, Ravitz (2009), "nearly unwed mothers delivered 40 percent of babies born in the United States in 2007. The 1.7 million out-of-wedlock births, out of 4.3 million total births, represented a more than 25 percent jump from five years earlier." [8]

In several countries, including Bulgaria, France, Scotland and Wales, Slovenia, and all of Scandinavia except for Denmark, more than half of the births in 2007 were extra-marital. In other countries, such as Czech Statistical Office (2010) reported, "Austria, Czech Republic, the Netherlands, Denmark, and parts of England, more than half of first births were illegitimate." [9] Justia (2009) pointed out, "Despite the decreasing legal relevance of illegitimacy, an important exception may be found in the nationality laws of many countries" [10] particularly in cases where the child's connection to the country lies only through the father.

In Europe, besides the low levels of fertility rates and the delay of motherhood, another factor that now characterizes, European Commission Euro stated (2010) is "fertility is the growing percentage of live births outside marriage." And again it is reported, "National non-wedlock figures in Europe range from 5% in Greece and 9% in Cyprus to 58% in Estonia and 64% in Iceland. In the USA, a marriage takes place after the first baby has arrived." [11]

United Nations Office on Drugs and Crime (2000) presented another detailed comparative data regarding Child Birth Rate Without Wedlock, as under; [12]

Statistics Regarding Child Birth without Wedlock by UNO

Rank in World	Countries	Number of Children born without wedlock
# 2	United States	1,210,880
# 56	Saudi Arabia	42

Non-paternity is a term in genetic genealogy and clinical genetics to describe the case where the, Macintyre & Sooman (1991) "biological father of a child is someone other than who is presumed to be." [13]

In all of these circumstances, how can it be determined that the sperm of the baby is from the person of such activity. After getting enjoyment of sex, no man takes responsibility of a child because he is also pry of non-assurance of sperm indulging. Women having sexual enjoyment try abortion and in some cases if abortion deems unsuccessful or there are health risks, she minds to get an experience of childbirth. So the curse of non-paternity arises. What are its after effects except huge destruction?

The rate of non-paternity is commonly quoted to be around 10% in non-veiling system adopting countries. King & Jobling (2009) explained, "Most at risk of parental discrepancy were those born to younger parents, to unmarried couples and those of lower socio-economic status, or from certain cultural groups." [14]

The rates value varies according to the population studied by Schacht & Gershowitz (1963) as under'

"United States: A study in Michigan of 1417 white and 523 black children found non-paternity rates of 1.4% and 10.1% respectively." [15]

Non-paternity is considered as a curse in veil adopting countries like Saudi Arabia and of course, the ratio of non-paternity in these countries is very less than those countries, which does not adopt veiling.

US, where the veil system is vanished, is at worst condition with a figure of 1,210,880. Saudi Arabia, where veil system is adopting in

very good condition, is comparatively at very low stage with only 42 cases of illegal births.

Is huge usage of cosmetics produced by non-veiling atmosphere?
Today, in such societies where a person does not use full body covering and the non-veiling attitude, community members watch one's body, the person has to use cosmetics to maintain and even enhance the charm and attraction of his/her body. By and by the usage of cosmetics increases and soon, costs an arm and a leg. On the other hand, scientific techniques of cosmetic producing companies bind their customers to use their products regularly. Therefore, after some time, those companies have captured a huge budget unwontedly.
Of huge importance is this that "manufacturing of cosmetics is currently dominated by a small number of multinational corporations that originated in the early 20th century" [16] (Reed, 2007), but distribution and sale of cosmetics is spread among a wide range of different businesses.
Cosmetics cover a large number of items than human beings use to eat for their survival. Rao (1998) calculated and gathered all spheres as;
"Lipstick, lip-gloss, lip liner, lip plumper, lip balm, lip conditioner, lip primer, and lip boosters, Foundation, usually a liquid, cream, or powder, Powder, used to set the foundation and to conceal small flaws or blemishes, Rouge, blush or blusher, cheek coloring; this comes in powder, cream, and liquid forms, Bronzer, Mascara is used to darken, lengthen, and thicken the eyelashes, Eyelid glue, eyeliner, eye shadow, eye shimmer, and glitter eye pencils as well as different color pencils used to color and emphasize the eyelids, Eyebrow pencils, creams, waxes, gels and powders are used to color and define the eyebrows, Nail polish, used to color the fingernails and toenails." [17]
People spend more time and money in lue of cosmetics than eating in USA.
The total Size of U.S. Market for Cosmetics and Beauty Products industry is $3,775,000 in 2007, $ 4,000,000 in 2008 and $3,750,000 in 2009. In addition, this graph presents the details of employees, Total Revenue, companies, and size of firm as $4,000,000 in 2007, $ 3,850,000 in 2008 and $3,700,000 in 2009. [18]
The above three-year forecast utilizes Advanced Econometric Techniques (AET) that takes into account both short-term and long-

term industry trends increase continuously until it will be double in 2014 than 2009.

This analysis by the USA Census Department in June 2010 shows that usage of cosmetics is increasing shockingly. Cosmetics are being used by each person for only some hours and need reapplication for the next use. This huge budget and usage time of the nation can be saved and utilized in productive aspects if persons use veil system and full body covering clothes. So the nakedness atmosphere plays a vital role for heavy usage of cosmetics and spoiling of worthy budgets.

Does Non-Veiling push a society towards Domestic Violence?

Markowitz (2000) defined, "Domestic Violence, also known as domestic abuse, spousal abuse or Intimate Partner Violence (IPV)." [19]

Domestic violence is the start result of wearing revealing dresses in public and non-implementation of in-house veiling system. When husband or wife uses lustful dresses in public, someone shall, first day, praise his/her body, second day, stare or touch the body and gradually the close relation and enchanting talks will start. Ultimately the fondness grows roots. This likeness of husband or wife for another person gradually changes behaviour of the husband/wife. Gradually, the defects of his/her partner will start bearing notice. After some time, husband/wife likes the outer person and dislike his/her partner. If the complete social system is on this course, the love and likeness for partners finishes very early.And as a result, domestic violence begins.

Johnson (1995) said that all forms of domestic abuse i.e. "denial, isolation, blame, dominance, intimidation and humiliation have one purpose"[20], to gain and maintain control over the victim so that he/she can fulfill his/her desires.

This stress becomes social stress when a person watches hundreds of other person enchanting and lulling with bare dresses and sexual attraction but he/she can't succeed to get enjoyment with all of these bodies. UNFPA (2010) expanded, "This stress with other such problems in a family may further increase tensions."[21]

Dr. Martin (2010), Department of Psychology, California State University researched, "women are as physically aggressive, or more aggressive, than men in their relationships with their spouses or male partners."[22]

Women creates more causes for domestic violence due to their aggressive psyche. They use exposing dresses, fish for male attention. Therefore, they are more aggressive and temperamental.

Does unveiling result in family breakage conditions among such communities? Every person wants love and loyalty from his/her partner. Family system is the biggest element for the development of every society. Family correlation and harmony brings the core positive aspects i.e. love and affectionate atmosphere, attitude to sacrifice for others, righteous upbringing of children, beauty in social life and a continuous phrase for next generation in society. But when male or female of a family uses improper attire and exhibits his/her body in public to get attention of others, stuation turns problematic.

Furthermore, if society does not apply in-house veil system and allows the free mixing of the male and female of a family and exercise sexual enjoyment from any person of the society whom he/she wants then there is no ondition that the male or female remains loyal with their spouse and maintain their tie for their family. They will be habitual to use nakedness or lustful tactics to pry their target for sexual attachment and will not give attention to their family. So the family system will be disintegrated and consequently bring about the demise of love, affectionate behaviours, sacrifices, child upbringing and strength of the family ties. Divorces, family clashes, illegal births, mental disorders and crimes rate will eventully become high.

REFERENCES

1. Mona Charen, (2010), European Commission Euro stat, Hungary: EU Presidency,retrievedfromhttp://epp.eurostat.ec.europa.eu/statistics_explained/index.php /Fertility_statistics
2. Albert Roberts R., & Bergess Ann W., (2009), "Victimology: Theories and Applications". Sudbury Mass: Jones & Bartlett Publishers, 228
3. Barlow David H., (2001), "Clinical Handbook of Psychological Disorders: A Step-by-Step Treatment Manual". New York: Guilford Press, 62
4. Johnson H. & Sacco V., (1995), "Researching violence against women: Statistics Canada's national study", Canadian Journal of Criminology: Special Issue: Focus on the Violence Against Women Survey, Vol. 37, p.281
5. The daily Washington Post, (08-09-2007), "Prevalence of Rape in E. Congo DescribedasWorstinWorld",Retrievedfromhttp://www.washingtonpost.com/wpdyn/content/article/ 2007/09/08/AR2007090801194.html
6. Jeffrey L. Sedgwick, (2006), Director, United States Department of Justice, Bureau of Justice Statistics, "Criminal Victimization in the United States, 2006-StatisticalTables",Retrievedfromhttp://bjs.ojp.usdoj.gov/content/pub/pdf cvus0602.pdf

7. United Nations Office on Drugs and Crime, Center for International Crime Prevention, (2000), “Seventh United Nations Survey of Crime Trends and Operations of Criminal Justice Systems: covering the period 1998 – 2000”, retrieved from http://www.nationmaster .com/ graph/cri_rap_percap -crime-rapes-per-capita
8. Ravitz Jessica, (2009), "Out-of-wedlock births hit record high". CNN, April 8,2009,retrievedfromhttp://www.cnn.com/2009/LIVING/wayoflife/04/08/out.of.wedlock.births/index.html?iref=t2test_livingwed.
9. Czech Statistical Office, (2010), "Population changes-1st quarter of 2010" Press Release, June 2010, retrieved from http://www.czso.cz/eng/csu.nsf /informace /aoby061410.doc
10. Justia, (2009), US Supreme Court Center, "Illegitimacy", (California: Justia Inc.,2009),retrievedfrom http://supreme.justia.com/constitution/amendment-14/90-illegitimacy.html
11. European CommissionEurostat,"FertilityStatistics”,(Hungary:EU Presidency, 2010),p.5,retrievedfromhttp://epp.eurostat.ec.europa.eu/statistics_explained/ index.php /Fertility_statistics
12. Ibid 7.
13. Macintyre S & Sooman A., (1991), "Non-paternity and prenatal genetic screening". Glasgow, UK: MRC Medical Sociology Unit, Lancet Series, Vol. 338, p.86
14. King T. E., & Jobling M. A., (2009), "Founders, drift and infidelity: the relationship between Y chromosome diversity and matrilineal surnames". Oxford: Mol Biol Evol Journal, Oxford University Press, Ed: 26, p.102
15. Schacht LE, Gershowitz H., (1963), "Frequency of extra-marital children as determined by blood groups". In Gedda L. Proceedings of the Second International Congress on Human Genetics, Rome: G Mendel, p.94
16. Reed Sandra I., (2007), "Cosmetics and Your Health." Washington DC: US Department of Health and Human Services, p.6
17. Rao Prathiba, (1998), “Cosmetics and Personal Care Products”, Washington DC: Elsevier inc, Vol. I, p.380-381
18. Ibid 16, p.41
19. Markowitz. Sara, (2000), "The Price of Alcohol, Wife Abuse, and Husband Abuse", Southern Economic Journal, Chattanooga, TN: Southern Economic Association, p.279
20. Johnson Michael P., (1995), "Patriarchal Terrorism and Common Couple Violence: Two Forms of Violence against Women". Journal of Marriage and Family, Minneapolis, MN: National Council on Family Relations, p.283
21. UNFPA, (2010),"Addressing Gender-Based Violence: Advancing Human Rights",New York: retrieved from http://www.unfpa.org/rights/violence.htm
22. Martin S. Dr., (2010), “References examining assaults by women on their spouses or male partners: an annotated bibliography”, Department of Psychology, California State University, and Long Beach, 1250 Bellflower Boulevard, Long Beach, p.24